جلد ۲ — جون ۱۹۶۱ء — شمارہ ٦

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ چندہ: پانچ روپے — قیمت فی پرچہ: آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر
(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

جون سنہ ۱۹۶۱ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ: پانچ روپے ؛ فی پرچہ:- پچاس پیسے

فہرست مضامین

طابع و ناشر:- محمد ابراہیم ٭ مطبوعہ:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی - ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۶۸

(۱۵ جون ۱۹۶۱ء)

غلبۂ اسلام کے ضمن میں ایک بنیادی مطالبہ

انبیاء کرام یا مامورینِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مشن لے کر آتے ہیں وہ اپنی ساری زندگی اس مشن کو پورا کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی تکمیل میں ہی گزرتا ہے اور وہ زندگی کے آخری سانس تک اس بات میں کوشاں رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو مشن اُن کے سپرد کیا ہے وہ باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ وہ اپنے عملی نمونہ سے ایک ایسی سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کا آغاز کرتے ہیں جس کا سلسلہ اُن کی وفات کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی قوّتِ قدسی کی مدد سے اپنے ماننے اور ایمان لانے والوں کو بھی عمل و کردار کے اُسی سانچے میں ڈھال دیتے ہیں جس سانچے میں اُن کی اپنی زندگیاں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے ماننے والے اس جدوجہد کو نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اصل غرض جس کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اُنہیں مبعوث فرماتا ہے بتمام و کمال پوری ہو جاتی ہے۔ اِس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو انبیاء کرام خود اپنی زندگی بھی خدا کی راہ میں وقف نہیں کرتے بلکہ اُن کے سچے پیرو اور ماننے والے بھی اُن کے لائے ہوئے مشن کی تکمیل کے خاطر اپنی زندگیاں نسلاً بعد نسلٍ وقف کرتے چلے جاتے ہیں بالفاظِ دیگر انبیاء کرام اپنے زمانے میں وقفِ زندگی کی ایک ایسی مثال قائم کر دکھاتے ہیں جس کی اور کوئی نظیر موجود نہیں ہوتی اور اُن کی اتباع میں اُن کے پیرووں کی زندگیاں بھی خدا اور اُس کے دین کی راہ میں اسی طرح وقف ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد انبیاء کا نام لیکر اِس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے خدا اور اس کے دین کی راہ میں اپنی زندگیاں وقف کئے رکھیں اور پھر اپنی اولاد کو بھی نسلاً بعد نسلٍ خدا اور اس کے دین کی خاطر

اپنی زندگیاں وقف کرتے چلے جانے کی وصیت کی۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ (البقرۃ آیات ۱۳۲ و ۱۳۳)

جب ابراہیمؑ کے ربّ نے اس سے کہا کہ ہماری فرمانبرداری اختیار کر تو اس نے جواب میں عرض کیا میں تو پہلے ہی سے تمام جہانوں کے رب کی فرمانبرداری اختیار کر چکا ہوں۔ اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو اس بات کی تاکید کی اور کہا کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے یقیناً اس دین کو تمہارے لئے چُن لیا ہے۔ پس ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے پورے فرمانبردار ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کا کہ "میں تمام جہانوں کے رب کی فرمانبرداری اختیار کر چکا ہوں" دوسرے حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی اپنے بیٹوں کے نام اس وصیت کا کہ وہ دینِ حنیف کی خاطر زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بنے رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرنے سے مراد خدا کی راہ میں زندگی وقف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے یہی کہا تھا کہ جو مشن اُن کے سپرد کیا گیا ہے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زندگی بھر کوشاں رہیں اور اپنی زندگی کو اسی کام کے لئے وقف سمجھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا باری تعالیٰ میں تو پہلے ہی یہ عہد کر چکا ہوں کہ میں اپنی ساری زندگی تیرے دین کی خدمت میں بسر کروں گا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولادوں کو وقفِ زندگی کے اس عہد پر قائم رہنے اور اسے تادمِ آخر نبھانے کی وصیت کی۔ اس وصیت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس میں اس طور سے خدا کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ موت جب بھی آئے تو اس حال میں آئے کہ تم خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔ موت کسی کے اختیار میں نہیں ہوتی اس سے مراد یہی ہے کہ تمہارا زندگی وقف کرنا عمر بھر کے لئے ہو کسی مقررہ وقت یا زمانہ تک محدود نہ ہو زندگی میں کوئی وقت ایسا نہیں آنا چاہیئے کہ تم نے وقفِ زندگی کے اس عہد سے روگردانی اختیار کر لی ہو۔

اسی طرح نبیوں کے سردار فخر الاوّلین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں مبعوث ہو کر خدا اور اسکے دین کی راہ میں زندگی وقف کرنے کا جو اعلیٰ و اکمل اور ہر لحاظ سے بے نظیر و بے مثل نمونہ دکھایا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا ہے :۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ

یعنی اے رسول! تُو ان سے کہدے میری نماز اور میری قربانی اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس امر کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

(الانعام آیت ۱۶۳-۱۶۴)

خدا کی راہ میں زندگی وقف کرنے اور پھر اس عہد کو اپنے عمل سے پورا کر دکھانے کی معراج یہی ہے کہ انسان دین کو دنیا پر اس درجہ مقدم کر لے کہ اس کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، مرنا جینا الغرض ہر حرکت و سکون اللہ کے لئے ہی ہو جائے اور اس میں ذرہ بھر بھی دُنیا کی ملونی باقی نہ رہے۔ انسان جو کام بھی کرے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر کرے۔ اور وقفِ زندگی کا یہی وہ اعلیٰ و اکمل اور بے نظیر و بے مثل نمونہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا اور نہ صرف خود دکھایا بلکہ اپنے نمونہ سے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اسی رنگ میں رنگین کر دیا اور انہوں نے بھی خدا کی راہ میں زندگیاں وقف کرنے کی ایسی مثال قائم کی کہ جو رہتی دنیا تک زندہ و تابندہ رہیگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقفِ زندگی کے تعلق میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و اکمل ترین نمونے کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کی اتباع میں آپ کے اصحاب کی دین کے خاطر قربانیوں اور مسلسل جدوجہد کا بھی ذکر کر کے اُنہیں عظیم الشان بشارتوں سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

لیکن یہ رسول (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو اس کے ساتھ ہو کر خدا پر ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں کے ذریعہ سے جہاد کیا ہے ان کے لئے ہر قسم کی بھلائیاں ہیں اور وہی آخر کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(التوبہ آیات ۸۸، ۸۹)

دین کی خاطر زندگیاں وقف کرنے اور بڑھ چڑھ کر مسلسل قربانیاں پیش کرنے کا ہی یہ علیم النظیر جذبہ تھا کہ اسلام دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک چھا گیا اور پھر صدیوں چھایا رہا۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ یہ جذبہ سرد پڑنے لگا اور ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلام کے خاطر زندگیاں وقف کرنے کا تصور ہی سرے سے مفقود ہو گیا اور

بالآخر اسلام کی حالت یہ ہو گئی کہ :-

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید　　　دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

مردمِ ذی مقدرت مشغولِ عشرت ہائے خویش　　　خرم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنین

عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس　　　زاہداں غافل سراسر از ضرورت ہائے دیں

ایں دو فکرِ دینِ احمد مغزِ جانِ ما گداخت　　　کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں

اِس آخری زمانے میں جب حالت یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی نصرت، اس کے احیاء اور سر بلندی کے لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو مسیح موعود کے منصب پر فائز کر کے مبعوث فرمایا۔ آپ نے اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے اور غالب کر دکھانے کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر ڈالا اور اس راہ میں ہر دُکھ ہر مصیبت اور ہر کلفت اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ نے یکہ و تنہا ہر چہار طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے ہوئے اسلام کا ایسا کامیاب دفاع کیا کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اُٹھے۔ ایک اکیلی جان تھی جو اسلام پر فدا ہونے کے لئے آگے بڑھی، ایک تنہا دل تھا جو اسلام کی بے بسی پر خون کے آنسو روتا ہوا بیتابی کی شدت سے تڑپ اٹھا، ایک اور صرف ایک ہی جری تھا لیکن تھا جری اللہ جو اسلام کے دشمنوں کو للکارتا ہوا میدان میں نکلا اور فی الحقیقت مردِ میدان ثابت ہوا۔ دنیا نے دیکھا اور حیرت زدہ آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ایک جان، وہ تنہا دل، اور وہ اکیلا جری زیادہ عرصہ اکیلا نہ رہا۔ بہت جلد اس کی قوتِ قدسی کے طفیل ہزاروں جانیں اسلام پر قربان ہونے کے لئے آگے بڑھیں، ہزاروں دل للّٰہیت اور کمال درجہ فدائیت کے اسی جذبہ سے سرشار ہو کر تڑپ اُٹھے اور ہزاروں لوگ ظلّ الانبیاء کے بھیس میں ظاہر ہونیوالے جری اللہ کی اتباع میں مردِ میدان بننے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے نہ صرف اپنی پوری زندگی خدمتِ اسلام کے خاطر خدا کی راہ میں وقف کئے رکھی بلکہ وہ جذبہ اور وہ روح جس کے زیرِ اثر صدرِ اوّل کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی خاطر وقف کی تھیں اسے پھر زندہ کر دکھایا اور دوسروں کے لئے عام کر دیا۔ اس کے نتیجے میں انصارِ دین کی قلت دیکھتے ہی دیکھتے کثرت میں تبدیل ہونے لگی۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے اصحاب نے للّٰہیت کے جس قابلِ رشک جذبہ کے تحت اپنی زندگیاں لگا کر نصرتِ دین کا فریضہ ادا کیا یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج آپ کی قائم کردہ جماعت کے ذریعہ اسلام مشرق و مغرب میں پھیل رہا ہے اور ایک روحانی انقلاب کے لئے زمین ہموار ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے بیعت کنندگان پر پہلے تو نہایت مسحور کن انداز میں وقفِ زندگی کی اہمیت واضح فرمائی اور پھر اپنا عملی نمونہ پیش کر کے انہیں تلقین کی کہ وہ بھی دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہوئے خدمتِ اسلام کو اپنا مطمحِ نظر قرار دیں اور اس کے خاطر خدا کی راہ میں اپنی زندگیاں وقف کریں۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک موقع پر وقفِ زندگی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ مَیں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کیلئے وقف کر دی ہے اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دیدی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کیلئے خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔

یاد رکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر ان کو اطلاع ملتی۔ جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں بل اجرہٗ عند ربّہٖ ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ اس للّٰہی وقف کا اجر ان کا رب دینے والا ہے۔ یہ وقف ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے۔

مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطبع راحت اور آسائش چاہتا ہے اور ہموم و غموم اور کرب و افکار سے خواہشمند نجات ہے پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کو ایک مجرّب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جاوے تو اس پر توجہ ہی نہ کرے۔ کیا للّٰہی وقف کا نسخہ ۱۳۰۰ برس سے مجرب ثابت نہیں ہوا؟ کیا صحابہ کرام اسی وقف کی وجہ سے حیاتِ طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے مستحق نہیں ٹھہرے؟ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اٹھانے میں دریغ کیا جاوے؟

بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے ناواقف محض ہیں ورنہ اگر ایک شمّہ بھی اس لذت اور سرور سے انہیں مل جاوے تو بے انتہا تمنّاؤں کیساتھ وہ اس میدان میں آئیں۔" (الحکم جلد ۴ نمبر ۳۱)

وقفِ زندگی کی اہمیت بیان کرنیکے بعد اسی تقریر میں آگے چل کر حضور علیہ السلام نے اس تعلق میں خود اپنا تجربہ بیان فرمایا ہے اور پھر جماعت کے احباب کو نہایت درد و سوز اور کمال درجہ ہمدردی و غمخواری کے ساتھ توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے خدمتِ اسلام کیلئے اپنی زندگیاں وقف کریں اور ہموم و غموم سے رہائی پاکر اس روحانی کیفیت و سرور اور بے پناہ لذت سے بہرہ اندوز ہوں جو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کو میسر آتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"مَیں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے مَیں نے اس راحت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کیساتھ بڑھتا ہی جاوے۔

پس مَیں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کیلئے اللہ تعالےٰ نے مجھے وہ جوش

عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دُکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا۔ اسلئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچا دوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سُنے یا نہ سُنے کہ اگر کوئی حیات چاہتا ہے اور حیاتِ طیبہ اور ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرے اور ہر ایک اِس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کر سکے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی روح بول اُٹھے اسلمت لرب العٰلمین۔ جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا۔ خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل اور غرض سمجھتا ہوں پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اِس فعل کو خدا کے لئے پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔" (الحکم جلد ۴ ص۳۱)

جماعت کو اسلام کی خاطر زندگیاں وقف کرنے کی تحریک فرمانے کے بعد آگے چل کر حضورؑ نے واضح فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں زندگی وقف کرنے سے لاپرواہی برتنا کیسے خطرناک نتائج پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے حضورؑ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کے لئے جہنم کو پیدا کیا ہے کیونکہ دُنیا کے مال و منال اور دولت و ثروت بھی جن کا لالچ انسان کو بسا اوقات زندگی وقف کرنے سے باز رکھنے کا موجب ہو جاتا ہے انسان کے لئے اِس دُنیا میں ہی جہنم کے قائم مقام بنکر اُسے تسکین اور اطمینان کی دولت سے محروم کر سکتے ہیں۔ اور اگر مال و زر کی وجہ سے حاصل ہونے والی عارضی اور ناپائدار خوشی کسی کو میسر آ بھی جائے تو بھی وہ اس لازوال خوشی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی جو وقفِ زندگی کے نتیجے میں انسان کو ملتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام قرآن مجید کی آیت وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (اعراف آیت ۱۸۰) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لئے زندگی وقف نہیں کرتا تو وہ یاد رکھے کہ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے جہنم کو پیدا کیا ہے۔ اِس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بعض خام خیال کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہر ایک آدمی کو جہنم میں ضرور جانا ہوگا یہ غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ تھوڑے ہیں جو جہنم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں اور یہ تعجب کی بات نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قلیل من عبادی الشکور۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ایک جہنم تو وہ ہے جس کا مرنے کے بعد وعدہ دیا ہے اور دوسری

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر حاصل کرنے کا دوسرا اہم ذریعہ

اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کیلئے دعاؤں میں لگے رہو

دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی کہ خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جائے گا!

اپریل ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس روح پرور اور بصیرت افروز تقریر کا ابتدائی حصہ شائع کیا گیا تھا جو حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء کے موقع پر ۲۹ر دسمبر کو بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ قادیان میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس تقریر میں حضور نے حقیقی پاکیزگی اختیار کرنے اور خاتمہ بالخیر حاصل کرنے کے ذرائع پر نہایت مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اپریل کے شمارہ میں تقریر کا جو حصہ درج کیا گیا تھا وہ خاتمہ بالخیر کے پہلے ذریعہ یعنی ذاتی مجاہدہ اور کوشش اور اس کے عظیم الشان نتائج و اثرات پر مشتمل تھا۔ ذیل میں تقریر کا اگلا حصہ شائع کیا جا رہا ہے جس میں خاتمہ بالخیر کے دوسرے ذریعہ یعنی دعا اور اس کی بنیادی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے (ادارہ)

دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر کے حاصل کرنے کا جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے جو دراصل سب سے مقدم ہے وہ دعا ہے۔ اس لئے جس قدر ہو سکے دعا کرو یہ طریق اعلیٰ درجہ کا مفید اور مجرب ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؎ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ دعا ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر فخر کرنا چاہیئے۔ دوسرے مذاہب کو دعا کی حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اسی واسطے ان کو دعا کی کوئی قدر نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ دعا جیسی شے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں حالانکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام کو ہی ہے دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں اس لئے دوسری کوئی قوم اس میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اور قوموں نے بدیوں میں پڑ کر اور ان سے راضی ہو کر دعا کا قصد ہی نہیں کیا۔ مثلاً جب عیسائیوں نے کفارہ پر بھروسہ کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لئے قربانی دیدی ہے اور ہمارے سارے گناہ اس نے اٹھا لئے ہیں پھر کونسا امر ہے جو ان کو دعا کے لئے جذب و تحریک کریگا۔ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ گدازش دل سے دعا کریں دعا کی ضرورت تو اس کو پیش آتی ہے جو یہ یقین رکھتا ہو کہ میں گرفتار ہوں اور جو اپنی ذمہ داری اور جوابدہی سمجھتا ہے

لیکن جو شخص اپنے آپکو بری الذمہ تصوّر کرتا ہے وہ دُعا کیوں کریگا کیونکہ اس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دوسرے شخص نے اُٹھا لئے ہیں اور اس طرح پر اُس کے ذمہ کوئی جوابدہی نہیں اور گناہ اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے اور نہ اُس کے گناہ اُس کے عذاب کا موجب ہوں گے تو اُس کے دل میں کس طرح جوش اور تحریک ہوگی۔ اُس نے تو اور شے پر ہی بھروسہ کرلیا ہے۔ اور اس لئے اس طریق سے جو دُعا کا طریق ہے وہ دُور چلا گیا ہے۔ غرض ایک عیسائی کے نزدیک دُعا بالکل بے سُود ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرسکتا اُس کے دل میں وہ رقّت اور جوش جو دُعا کے لئے تحریک پیدا کرتا ہے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوسکتی اور کسی طرح پر اس کے گناہ معاف ہی نہیں ہوسکتے تو وہ دُعا کیوں کریگا۔ اُس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے کہ جُونوں کے چکّر میں جانا ضروری ہے اور بیل، گھوڑا، گدھا، گائے، کُتا، سور وغیرہ بننا ہے وہ اس راہ (دُعا) کی طرف آئے گا ہی نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُعا اسلام کا خاص فخر ہے۔

مگر یہ یاد رکھو کہ یہ دُعا صرف زبانی بک بک کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور دُعا کرنے والے کی رُوح پانی کی طرح بہ کر آستانۂ الوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کا اعتراف کرکے اُس قوی اور مقتدر خدا سے اُن سے بچنے کی طاقت اور قوّت اور مغفرت (حفاظت) چاہتی ہے۔ اور یہ وہ حالت ہے کہ دوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسّر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ باب اجابت اس کے لئے کھولا گیا۔ تب خاص قوّت اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر قائم رہنے کے لئے عطا ہوتی ہے۔ یہ ذریعہ سب سے بڑھ کر زبردست ہے۔

مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ وہ جبکہ حقیقت دُعا کی نہیں جانتے جو قبولیت کا ذریعہ ہے تو وہ قبولیتِ دُعا کی تاثیرات کو بھی نہیں پاسکتے اور ایک وجہ انکی دُعا سے منکر ہونیکی یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہیگا پھر دُعا کی کیا حاجت ہے۔

مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تو نرا بہانہ ہے۔ انہیں چونکہ دُعا کا تجربہ نہیں اُنکی تاثیرات پر بھی اطلاع نہیں اس لئے اس طرح کہدیتے ہیں ورنہ اگر ان کا اعتقاد یقینی طور پر اس بات پر ہے تو پھر دُکھوں اور بیماریوں میں وہ تدابیر اور علاج کیوں کرتے ہیں۔ اگر ایسے ہی متوکل اور راضی بقضاء ہیں تو پھر ڈاکٹروں اور طبیبوں کی طرف کیوں دوڑے جاتے ہیں۔ بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں۔ سیّد احمد خاں بھی دُعا کے بڑے منکر تھے لیکن جب اُنکا پیشاب بند ہوا تو دہلی سے معالج ڈاکٹر کو بلایا یہ نہ سمجھ لیا کہ اگر پیشاب کُھلنا ہے تو خود بخود ہی کُھل جاوے گا۔ افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات نہیں آتی کہ جب ظاہری عالم کے ذرّہ ذرّہ پر اس قادر خدا کا تصرف ہے تو باطنی عالم پر اُس کا تصرف کیوں نہیں۔ ایک پہلو میں اس کے کامل قدرت کے تصرّفات کو مانتے ہیں اور دوسرے پہلو میں اُس سے

انکار کرتے ہیں۔ جبکہ ظاہری اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی اشیاء میں تاثیرات نہ ہوں جن میں سے دُعا بھی ایک زبردست چیز ہے۔ قضاء و قدر پر تو ہمارا بھی ایمان ہے مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالیٰ نے وہ فہرست کس کو دی ہے جس سے معلوم ہو جاوے کہ فلاں کا ٹال ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان اسرار پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قبض ہے تو تریاق اور کسٹرائل جب اس کو دیا جاوے گا تو اُسے اسہال آجاویں گے اور قبض کھل جاوے گی۔ کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز میں تاثیرات رکھی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی زمیندار دانے ڈالتا ہے اور پانی دیکر کھیت کی پرورش کرتا ہے تو اس کا کھیت پھلتا پھولتا ہے۔ پس جب تجارب سے ایک بات ثابت ہے تو خواہ مخواہ اس کی بحث میں پڑنا اور ایک کھلی حقیقت سے انکار کرنا نادانی ہے۔ دُعا سے انکار کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ جس نقطہ پر دُعا اثر کرتی ہے اُس سے دُور رہ کر لوگ تھک کر دُعا چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ابتلاء میں پڑ کر خود ہی نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دُعاؤں میں کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ جب تک کسی شے کی پوری خوراک استعمال نہیں کی جاتی تب تک کوئی فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً اگر ایک شخص کو ایک روٹی کی بھوک یا ایک پیالہ کی پیاس ہے تو ایک دانہ یا ایک بھورے یا ایک قطرہ یا گھونٹ سے اس کی سیری ہرگز نہ ہوگی بلکہ سیر ہونے کے لئے چاہیئے کہ کافی پانی یا غذا کھائے۔ ایسے ہی جب تک دُعا اپنے پورے آداب کے ساتھ نہ کی جائے اور جس حد تک وہ درجہ استجابت حاصل کرتی ہے اس حد تک نہ پہنچے اور اس میں بے دلی اور گھبراہٹ اور جلد بازی سے احتراز نہ کیا جائے تب تک اُس کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ تھک جانا، گھبرانا، جلد بازی کرنا محرومی کی علامت ہے۔ دُعا تو ایک ایسی شے ہے کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جو کہ اس کے ذریعہ سے حل نہ ہو۔ کوئی غم ایسا نہیں جو دُعا سے زائل نہ ہو جائے، کوئی بیماری ایسی نہیں جو کہ اس کے ذریعہ سے دُور نہ ہو۔ یہ میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں خیالی بات نہیں ہے۔ میرے نزدیک دُعا بہت عمدہ چیز ہے اور بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔ دُنیا کی تنگیاں اور مشکلات جو کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہوں اللہ تعالیٰ دُعا کے ذریعہ آسان کر دیتا ہے۔ دشمنوں کے منصوبوں سے یہ بچا لیتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو دُعا سے حاصل نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاک کر دیتی ہے اور خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان بخشتی ہے، گناہ سے نجات دیتی ہے اور نیکیوں پر استقامت اس کے ذریعہ سے آتی ہے۔ پس بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے جس کو دُعا پر ایمان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ انسان ہر وقت ایک سیلاب میں پڑا ہوا ہے سو دُعا ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ اسکو اس سے نجات دلا سکتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں بھی خدا تعالیٰ نے دُعا کی تعلیم دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی عظیم الشان اور ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں۔ اور اپنے اُنہیں چار صفات کا ذکر اوّل کیا ہے جن سے دُعا کی تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے وہ چار صفات اس کی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، رَحْمٰن، رَحِیْم، مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن ہیں جو اُمّ الصفات ہیں۔

ربّ کے معنے ہیں کہ ذرہ ذرہ کی ربوبیت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ عالم اُسے کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے یا جس کا علم ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں ایسی نہیں جس کی ربوبیت اللہ تعالیٰ نہ کرتا ہو۔ ارواح اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہی ہے جو ہر ایک چیز کی حسب حال اس کی پرورش کرتا ہے۔ جہاں جسم کی پرورش کرتا ہے وہاں روح کی سیری اور تسلی کے لئے بھی معارف حقائق عطا فرماتا ہے۔ رحمان ہے کہ قبل پیدائش انسان کی بلا مزدو محنت اُس کے آرام کے سامان مہیا کر دیئے۔ زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ جس قدر اشیاء انسان کیلئے ضروری ہیں اُس کے پیدا ہونے سے پہلے موجود ہوتی ہیں اور رحیم ہے یعنی کسی کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ مالکِ یوم الدّین ہے وقت جزا و سزا کا مالک بھی ہے۔ اس قدر صفات اللہ کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے۔ واقعہ میں جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے تو خواہ مخواہ روح میں ایک جوش اور تحریک پیدا ہوتی ہے اور روح دُعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اس لئے اِس کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے کہ تو جو ربّ، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اپنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت سے میری مشکل کشائی فرما اور وہ صراطِ مستقیم دکھا جو تو اپنے پیارے برگزیدوں کو دکھاتا رہا ہے ہم تیری راہ بجز تیرے فضل کے نہیں پا سکتے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلیات اور رحمتوں کے پانی کے لئے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے بلکہ اس کے تجلیات کا ظہور دُعا کو چاہتا ہے اس لئے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی ہمت مت ہارو۔ اِسی کے ذریعہ انسانوں کو مخلصی ملتی ہے۔ غرض اصلاحِ نفس کے لئے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لئے نیکیوں کی توفیق پانے کے لئے دوسرا پہلو دُعا ہے جو اُسے کامل یقین اور طاقت سے استعمال میں لاوے گا اور اِس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اُس کی تمام مشکلات دُور ہو جاویں گی اور عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے ہی انسان پاک ہو سکتا ہے اور کوئی راہ اُس کے پاک ہونے کی نہیں ہے۔ دُعا کرنے والا اعلیٰ مراتب تقویٰ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ بالکل سچ بات ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا۔ نفسانی جذبات پر محض خدا تعالیٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ توفیق دُعا ہی سے ملتی ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہی دُعا ہے جس پر مسلمانوں کو ناز اور فخر کرنا چاہیئے۔ دوسرے مذاہب کے آگے تو دُعا کے لئے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں اور وہ دُعا کی طرف توجہ ہی نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اِن تمام پتھروں کو جو اُن کی دُعا کے راستہ میں پڑے ہوں اور جو اُن کی دُعا کی روک بنے ہوئے ہوں دُور کر دیں جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو رُک جاتا ہے اِسی طرح دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دُعا کی راہ میں ڈالے ہوئے ہیں اور وہ کیا ہیں وہ اُنکی اپنی بدکاریاں اور بداعتقادیاں لیکن تم لوگوں کو اُن کی

مشغل نہ ہونا چاہیئے اور تمہارا کوئی کاروبار دُعا کے سوا نہ ہوا کرے۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے دُعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک عیسائی جو کفارہ اور خون مسیح پر ایمان لا کر سارے گناہوں کو معاف شدہ سمجھتا ہے اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ دُعا کرتا پھرے اور ایک ہندو جو یقین کرتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوتی اور تناسخ کے چکر سے ہرگز رہائی نہیں ہے اُس کے نزدیک بھی دُعا کوئی شے نہیں وہ کیوں دُعا کے واسطے ٹکریں مارتا رہیگا۔ وہ تو یقیناً سمجھتا ہے کہ اعمال کی پاداش میں اُس نے کروڑہا جونیں بدلنی ہیں اور جس کا ایمان ہے کہ کتے بلے بندر سور بننے سے چارہ ہی نہیں۔ دُعا تو جب کرتا کہ جب اُسے ایمان ہوتا کہ خدا تعالیٰ اُسے دُعا کی برکت سے اِن جونوں کے چکر سے بچا لیگا۔ اس لئے یاد رکھو کہ یہ اسلام کا ہی فخر اور ناز ہے کہ اس میں دُعا کی تعلیم ہے اس میں کبھی سستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔ دُعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر قرآن مجید کو غور سے پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس میں بار بار کس قدر دُعا کی طرف رغبت دلائی اور تاکید کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ پ۲ یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ میں بے شک بہت ہی قریب ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دُعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کا جواب دیتا ہوں۔ اور یہ جواب دینا کئی رنگوں میں ہوتا ہے جو بہت دُعا کرنے والا ہوگا وہ دیکھ لیگا کہ خدا تعالیٰ اُسے کبھی رویاء صالحہ کے ذریعہ، کبھی کشف صحیح اور الہام کے ذریعہ جواب دیتا ہے۔ اور علاوہ بریں دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ذات اور قدرتوں اور طاقتوں کا بھی کافی ثبوت ملتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا قادر خدا ہے جبکہ بڑی بڑی مشکلات کو دُعا سے حل کر دیتا ہے اور قادرانہ تصرفات سے اس کے دل پر اپنی ہستی اور اپنی قدرت اور طاقت کا نقش جما دیتا ہے۔ پھر بہت دُعا کرنیوالا سمجھ لیتا ہے کہ میرا پروردگار ایسا قادر مطلق ہے جو ہر ایک قسم کی مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ اِن باتوں کے ثبوت میں ہزاروں روایتیں اور حکایتیں موجود ہیں اور اب اِس وقت تو اس کی زندہ نظیریں قائم ہیں۔ غرض دُعا بڑی دولت اور بڑی طاقت ہے اور قرآن مجید میں جا بجا اس کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں جنہوں نے دُعا کے ذریعہ سخت ترین مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی کامیاب زندگی کی جڑ اور سچا ذریعہ اُن کی تمام کامیابیوں کا یہی دُعا بیان فرمائی ہے۔ پس میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے لئے دُعاؤں میں لگے رہو۔ دُعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

(باقی)

عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَدْرٌ مُنَوِّرٌ

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روشن کرنے والے چاند ہیں

طُوْبٰی لِمَنْ صَافٰی صِرَاطَ مُحَمَّدٍ ۔ وَکَمِثْلِ هٰذَا النُّوْرِ مَا بَانَ نَیِّرٌ

مبارک ہو اُس شخص کو جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پسند کی۔ ایسے نور جیسا تو کوئی نور دینے والا نہیں ہوا۔

وَصَلْنَا اِلَی الْمَوْلٰی بِهَدْیِ نَبِیِّنَا ۔ فَدَعْ مَا یَقُوْلُ الْکَافِرُ الْمُتَنَصِّرُ

ہم اپنے نبی کی راہنمائی سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ پس جو کچھ نصرانی کافر کہتا ہے سب چھوڑ دے۔

وَفِیْ کُلِّ اَقْوَامٍ ظَلَامٌ مُدَمِّرٌ ۔ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَدْرٌ مُنَوِّرٌ

تمام قوموں میں ہلاک کرنے والی تاریکی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روشن کرنے والے چاند ہیں۔

وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ مُهْجَةُ مُهْجَتِیْ ۔ وَمِنْ ذِکْرِهِ الْاَحْلٰی کَاَنِّیْ مُثْمِرٌ

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی روح ہیں اور آپؐ کے میٹھے ذکر سے مَیں ثمردار ہو گیا ہوں۔

فَدَعْ کُلَّ مَلْفُوْظٍ بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ ۔ وَقَلِّدْ رَسُوْلَ اللّٰهِ تَنْجُ وَتُغْفَرُ

محمد رسول اللہؐ کے فرمان کو لیکر باقی سب باتوں کو چھوڑ دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر تو نجات پائیگا اور بخشا جائیگا

وَلَیْسَ طَرِیْقُ الْهُدٰی اِلَّا اتِّبَاعُهٗ ۔ وَمَنْ قَالَ قَوْلًا غَیْرَهٗ فَیُتَبَّرُ

ہدایت کی راہ تو آپؐ کا ہی فرمان ہے۔ جس نے اِس کے سوا اور کچھ کہا وہ ہلاک ہوا۔

وَیَبْقٰی اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ دِیْنُهٗ

آپؐ کا دین تا قیامت باقی رہے گا۔

لَهٗ مِلَّةٌ بَیْضَاءُ لَا تَتَغَیَّرُ

آپؐ کا دینِ روشن کبھی بگڑنے والا نہیں۔

فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان

در دلم جوشد ثنائے سرورے
آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے

میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل
آنکہ روحش واصلِ آں دلبرے

وہ جس کی جان خدائے ازلی کی عاشق ہے
وہ جس کی روح اس دلبر میں واصل ہے

آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است
ہمچو طفلے پروریدہ در برے

وہ جو خدا کی مہربانیوں سے اسکی طرف کھینچا گیا ہے جیسے ایک بچہ کی طرح خدا تعالیٰ کی گود میں پرورش پائی ہو

آنکہ در بِرّ و کرم بحرِ عظیم
آنکہ در لطفِ اتم یکتا دُرے

وہ جو نیکی اور بزرگی میں ایک بحرِ عظیم ہے
اور کمالِ لطف میں ایک نایاب موتی ہے

آنکہ در جُود و سخا ابرِ بہار
آنکہ در فیض و عطا یک خاورے

وہ جو بخشش و سخاوت میں ابرِ بہار ہے
اور فیض و عطا میں ایک سورج ہے

آں رحیم و رحمِ حق را آیتے
آں کریم و جُودِ حق را مظہرے

وہ رحیم ہے اور رحمتِ حق کا نشان ہے
وہ کریم ہے اور بخشش خداوندی کا مظہر ہے

آں رُخِ فرخ کہ یک دیدارِ اُو
زشت رُو را میکند خوش منظرے

وہ مبارک چہرہ جس کا ایک دیدار بدصورت کو خوب رُو بنا دیتا ہے۔

احمدِ آخر زماں کز نورِ اُو
شد دلِ مردم ز خور تاباں ترے

اُسی احمدِ آخر زماں کے نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئے

(براہین احمدیہ حصہ اول مطبوعہ ۱۸۸۰ء)

سینما، قمار بازی، ناچ اور حقّہ لغویات میں سے ہیں

اور

ہر مخلص مومن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیئے

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

"تفسیر کبیر" علوم و معارف اور حقائق و دقائق کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف اور حقائق و دقائق بیان کرتے کے ساتھ ساتھ ہماری رہنمائی کے لئے بعض نہایت بیش قیمت نصائح بھی فرمائی ہیں۔ ذیل میں ایسی ہی زرّیں اور بیش قیمت نصائح کا ایک حصّہ افادۂ احباب کی غرض سے ذیل میں شائع کیا جارہا ہے (ادارہ)

میرے نزدیک موجودہ زمانہ میں جو لغویات پائی جاتی ہیں اُن میں سب سے مقدم سینما ہے جو قومی اخلاق کے لئے ایک نہایت ہی مہلک اور تباہ کن چیز ہے اور تمدّنی لحاظ سے بھی ملکی امن کے لئے خطرہ کا موجب ہے۔ میں نے کچھ عرصہ ہوا فرانس کے متعلق پڑھا کہ وہاں کئی گاؤں صرف اس لئے ویران ہوگئے کہ لوگ سینما کے شوق میں گاؤں چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں آباد ہوگئے تھے اور گورنمنٹ کو فکر پڑ گئی کہ اس رَو کو کس طرح روکا جائے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سینما اپنی ذات میں بُرا نہیں، مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس کا بُرے طور پر استعمال کرکے اِس زمانہ میں اسے انتہائی طور پر نقصان رساں اور تباہ کن بنا دیا گیا ہے ورنہ اگر کوئی شخص ہمالیہ پہاڑ کے نظاروں کی فلم تیار کرے اور وہاں کی برف اور درخت اور چشمے وغیرہ لوگوں کو دکھائے جائیں اس کی چٹانوں اور غاروں اور چوٹیوں کا نظارہ پیش کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا باجا یا گانا نہ ہو تو چونکہ یہ چیز علمی ترقی کا موجب ہوگی اس لئے یہ جائز ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی فلم کلّی طور پر تبلیغی ہو یا تعلیمی ہو اور اس میں گانے بجانے یا تماشہ کا شائبہ تک نہ ہو تو اس کے دیکھنے کی بھی ہم اجازت دے دیں گے۔ اسی طرح تربیتی یا جنگی اداروں کی طرف سے جو خالص علمی تصاویر آتی ہیں جن میں جنگلوں، دریاؤں کے نظارے یا کارخانوں کے نقشے یا لڑائی کے مختلف مناظر ہوتے ہیں وہ بھی دیکھے جاسکتے ہیں کیونکہ اُن کے دیکھنے سے علمی ترقی ہوتی ہے یا بعض صنعتی یا زرعی تصویریں ہوتی ہیں

جن میں کسانوں کو کھیتی باڑی کے طریق سکھائے جاتے ہیں، فصلوں کو تباہ کرنے والی بیماریوں کے علاج بتائے جاتے ہیں، زراعت کے نئے نئے آلات سے روشناس کیا جاتا ہے، عمدہ بیج اور اُن کی پیداوار دکھائی جاتی ہے۔ ایسی چیزیں لغو میں شامل نہیں کیونکہ اُن کے دیکھنے سے علمی لحاظ سے انسان کو ایک نئی روشنی حاصل ہوتی ہے اور اُس کا تجربہ ترقی کرتا ہے اور وہ بھی اپنی تجارت یا صنعت یا زراعت کو زمانہ کی دوڑ کے ساتھ ساتھ بڑھانے اور ترقی دینے کے وسائل اختیار کر سکتا ہے لیکن جھوٹی فلم خواہ جغرافیائی ہو خواہ تاریخی ناجائز ہے۔ مثلاً نپولین کی جنگوں کی کوئی شخص فلم بنائے تو یہ جھوٹی ہوگی اور باوجود نام نہاد تاریخی فلم ہونے کے ناجائز ہوگی۔ جغرافیائی اور تاریخی فلم سے مراد محض سچی فلم ہے، جھوٹی فلم مراد نہیں۔ بہرحال سینما کی وہ فلمیں جو آجکل تمام بڑے بڑے شہروں میں دکھائی جاتی ہیں اور جن میں ناچ بھی ہوتا ہے اور گانا بجانا بھی ہوتا ہے یہ ایک بدترین لعنت ہے جس نے سینکڑوں شریف گھرانوں کے لوگوں کو گویّا اور سینکڑوں شریف خاندانوں کی عورتوں کو ناچنے والی بنا دیا ہے۔ مَیں چونکہ ادبی رسائل وغیرہ دیکھتا رہتا ہوں مَیں نے دیکھا ہے کہ سینما کے شوقین اور اس سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے مضامین میں عموماً ایک تمسخر ہوتا ہے اور اُن کے اخلاق اور اُن کا مذاق ایسا گندہ ہوتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ سینما والوں کی غرض تو محض روپیہ کمانا ہوتی ہے، نہ کہ لوگوں کو اخلاق سکھانا۔ اور وہ روپیہ کمانے کے لئے ایسے لغو اور بے ہودہ افسانے اور گانے پیش کرتے ہیں کہ جو اخلاق کو سخت خراب کرنے والے ہوتے ہیں اور شرفاء جب ان کو دیکھنے جاتے ہیں تو اُن کا اپنا مذاق بھی بگڑتا ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں کا بھی مذاق بگڑ جاتا ہے جن کو وہ سینما دکھانے کے لئے ساتھ لیجاتے ہیں یا جن کو واپس آکر وہاں کے قصے سُناتے ہیں۔ غرض سینما ملک کے اخلاق پر ایسا تباہ کن اثر ڈال رہے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے ممانعت نہ ہوتی تب بھی ہر سچے اور مخلص مومن کی روح اس سے اجتناب کرتی۔ بعض احمدی پوچھتے ہیں کہ انگریزی فلموں میں تو کوئی لغویات نہیں ہوتی ان کے دیکھنے کی اجازت دی جائے حالانکہ کوئی انگریزی فلم ایسی نہیں ہوتی جس میں گانا بجانا نہ ہو اور گانا بجانا اسلام میں سخت منع ہے اور قرآن کریم کی آیت وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا سے پتہ لگتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کا بندہ ہی نہیں بن سکتا جب تک وہ گانے بجانے کی مجلسوں سے الگ نہ ہو۔

دوسری چیز جو لغویات میں امتیازی مقام رکھتی ہے قماربازی ہے۔ آجکل قماربازی یورپ و امریکہ کے لوگوں کا نہ صرف محبوب مشغلہ ہے بلکہ ان کے تمدن کا ایک جزو لاینفک ہو گیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جوئے کا کسی نہ کسی صورت میں دخل ہے۔ معمولی طریق کا جوا تو مجالسِ طعام کے بعد اُن کا ایک معمول ہے لیکن اس کے علاوہ لاٹریوں کی وہ کثرت ہے کہ یوں کہنا چاہیئے کہ تجارت کا کام بھی ایک چوتھائی حصہ جوئے کی نذر ہو رہا ہے۔ ادنےٰ سے لے کر اعلیٰ تک سب لوگ جوا کھیلتے ہیں اور کبھی نہیں قریباً روزانہ۔ اور جوئے کی کلبیں سب کلبوں سے زیادہ

امیر ہیں۔ اٹلی کی کلب مانٹی کارلو میں جو امراء کے جوئے کا مقام ہے بعض اوقات ایک ایک دن میں کروڑوں روپیہ بعض لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر بعض دوسرے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ غرض اس قدر جوئے کی کثرت ہے کہ یہ کہنا نادرست نہ ہوگا کہ تمدنِ جدید میں سے جوئے کو نکال کر اس قدر عظیم الشان خلاء پیدا ہو جاتا ہے کہ اُسے کسی اور چیز سے پُر نہیں کیا جا سکتا حالانکہ جُوا ایسی خطرناک چیز ہے کہ اس کا عادی انسان بعض دفعہ آدھ گھنٹہ کے جُوا کی خاطر اپنی ساری جائداد برباد کر دیتا ہے۔ اگر جیتتا ہے تو اور ہزاروں گھروں کی بربادی کا موجب بن کر۔ پھر جوئے باز میں روپیہ کو لٹانے کی عادت لازمی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی جوئے باز ایسا ہوگا جو اپنے روپے کو سنبھال کر رکھتا ہو بالعموم سارے جوئے باز بے پرواہی سے اپنا مال لٹا دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ روپیہ کمانے کے لئے انہیں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑے گی۔ گویا ایک طرف تو وہ دوسرے لوگوں کو برباد کرتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے مال سے بھی صحیح رنگ میں فائدہ نہیں اُٹھاتے کیونکہ روپیہ کمانے کے لئے انہیں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ پھر جُوا عقل اور فکر کو بھی کمزور کر دیتا ہے اور جوئے باز ہار جیت کے خیال سے ایسی چیزوں کے تباہ کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے جنہیں کوئی دوسرا عقلمند تباہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ پرانے زمانہ کی ہندو تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت کرشن کے پھوپھی زاد بھائی یدھشٹر نے اپنی بیوی تک جوئے میں ہار دی تھی۔ پس یہ ایک لغو چیز ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

تیسری چیز جو موجودہ زمانہ کے لحاظ سے لغو میں شامل ہے وہ ناچ ہے۔ انگریزوں میں کسی زمانہ میں ناچ بہت بُرا سمجھا جاتا تھا مگر آہستہ آہستہ لوگوں نے اُسے اختیار کرنا شروع کر دیا۔ پہلے عورت اور مرد صرف ہاتھ پکڑ کر ناچتے تھے پھر سینہ کی طرف سینہ کر کے ناچنے لگے۔ پھر یہ سلسلہ اور بڑھا اور درمیانی فاصلہ تین انگشت تک آ گیا۔ اب بہت جگہ پر یہ بھی اُڑ گیا ہے۔ قرآن کریم نے وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (نور ع ۴) میں عورتوں کے لئے اپنے پیروں کو اس طرح زمین پر مار کر چلنے سے بھی منع فرمایا ہے جس سے اُن کی زینت کا اظہار ہو اور ناچ میں تو زینت کے اخفاء کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس ناچ بھی مال اور اخلاق کو تباہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دُنیا میں ایسے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو کنچنیوں کے ایک ایک ناچ پر اپنی ساری جائدادیں دے دیتے ہیں، ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ڈوموں کے لطیفوں پر اپنے قیمتی اموال لٹا دیتے ہیں۔ پس گانے کی طرح ہر قسم کا ناچ بھی ایک لعنت ہے جس سے نوجوانوں کے اخلاق بگڑتے اور قوم کے اموال تباہ ہوتے ہیں۔

چوتھی چیز جو لغویات میں شامل ہے اور جس کا ترک کرنا نہایت ضروری ہے وہ حُقّہ ہے۔ لوگ پہلے تو اس کو اس لئے شروع کرتے ہیں کہ اس سے قبض کھل جاتی ہے مگر پھر ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ پاخانہ میں بیٹھ کر تین تین چلمیں بھرواتے ہیں تب انہیں اجابت ہوتی ہے۔ پھر حقّہ پینے والوں کو ہمیشہ گلے اور سینہ کی خرابی کا

عارضہ لاحق رہتا ہے کیونکہ جو چیز جسم کو سُن کر دیتی ہے وہ آخر میں اعصاب کو ڈھیلا اور کمزور کر دیتی ہے اور کئی امراض کا موجب بن جاتی ہے مگر اِس زمانہ میں حُقہ اور سگریٹ کا اِس قدر رواج ہے کہ اکثر نوجوان اور بچّے بھی اِس میں مبتلا دیکھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ ایک نشہ آور چیز ہے اس لئے رفتہ رفتہ وہ اِس کے اِس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ اگر ضرورت محسوس ہونے پر انہیں حُقہ یا سگریٹ یا نسوار وغیرہ نہ ملے تو پاگلوں کی طرح دَوڑے پھرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ہم ایک دفعہ پہاڑ پر جا رہے تھے تو میرے ساتھیوں میں ایک احمدی پٹھان بھی تھے جنہیں نسوار کھانے کی عادت تھی مگر بدقسمتی سے وہ اپنی ڈبیا گھر میں بھول آئے تھے۔ راستہ میں ایک کشمیری مزدور آ رہا تھا جس نے اپنے کندھے پر لکڑیاں اٹھائی ہوئی تھیں وہ اسے دیکھتے ہی نہایت لجاجت کے ساتھ کہنے لگے۔ اے بھائی کشمیری، اے بھائی کشمیری جی "اے بھائی جی آپ کے پاس نسوار ہے" مجھے یہ بات سُن کر بے اختیار ہنسی آگئی کہ جو شخص تکبّر کی وجہ سے اپنی گردن بھی نیچی نہیں کرتا تھا آج نشہ نہ پورا ہونے کی وجہ سے کس قدر لجاجت پر اُتر آیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو دوست باہر سے آپ کی ملاقات کے لئے آتے تھے اُن میں سے بعض لوگ حُقّہ کے بھی عادی ہوتے تھے۔ اُن دنوں قادیان میں اَور تو کسی جگہ حُقّہ نہیں ہوتا تھا صرف ہمارے ایک تایا کے پاس ہوا کرتا تھا جو سخت دہریہ اور دین سے بے تعلق تھے مگر حُقہ کی عادت کی وجہ سے وہ اُن کے پاس بھی چلے جاتے اور انہیں مجبوراً اُن کی باتیں سُننی پڑتیں۔ ہمارے یہ تایا دین سے ایسے بے تعلق تھے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا کہ کبھی آپ نے نماز بھی پڑھی ہے؟ وہ کہنے لگے مَیں تو بچپن سے ہی بڑا سلیم الطبع واقع ہوا ہوں مَیں چھوٹی عمر میں ہی جب دیکھتا کہ لوگوں نے سر نیچے اور سرین اُوپر کئے ہوئے ہیں تو مَیں ہنستا کہ یہ کیسے بے وقوف لوگ ہیں اور اب تو مَیں بہت سمجھدار ہوں مَیں نے نماز کیا پڑھنی ہے۔ ایک دوست نے سُنایا کہ ایک دفعہ ایک احمدی وہاں حُقّہ پینے کے لئے چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ کو گالیاں دیتے ہوئے واپس آگیا۔ کسی دوست نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا مَیں اپنے آپکو اس لئے بُرا بھلا کہہ رہا ہوں کہ محض حُقّہ کی عادت کی وجہ سے مجھے اُس کے پاس جانا پڑا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف باتیں سُننی پڑیں۔ اگر مجھے یہ بُری عادت نہ ہوتی تو مَیں اُس کے پاس کیوں جاتا اور اپنے آقا کے خلاف اُس کے مُنہ سے کیوں باتیں سُنتا۔ غرض حُقہ بھی لغویات میں شامل ہے جس کو چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر کوئی شخص خود نہ چھوڑ سکے تو اُسے کم از کم یہ کوشش ضرور کرنی چاہیئے کہ اس کی اگلی نسل اِس بدی سے محفوظ رہے اور اس کی عمر کے خاتمہ کے ساتھ اِس لغو فعل کا بھی اُس کے خاندان میں خاتمہ ہو جائے۔

پھر لغویات میں بیکار بیٹھ کر گپیں ہانکنا اور دوسروں سے بے تعلق باتیں پوچھتے رہنا بھی شامل ہے۔ ہمارے ملک میں یہ ایک عام نقص ہے کہ مرد بھی اور عورتیں بھی دوسروں سے ایسی باتیں پوچھتے ہیں جن کا اُن کی ذات کیساتھ

کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً عورت بلاوجہ دوسری سے پوچھتی ہے کہ یہ کپڑا کتنے کا لیا، یہ زیور کہاں سے بنوایا۔ اور جب تک اس کی ساری ہسٹری معلوم نہ کرلے اُسے چین ہی نہیں آتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سُنایا کرتے تھے کہ ایک عورت نے انگوٹھی بنوائی لیکن کسی اَور عورت نے اُس کی طرف توجہ نہ کی۔ اُس نے تنگ آکر اپنے گھر کو آگ لگادی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کچھ بچا بھی ہے؟ اُس نے انگوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ سوائے اس انگوٹھی کے اَور کچھ نہیں بچا۔ ایک عورت نے کہا بہن تم نے یہ انگوٹھی کب بنوائی تھی یہ تو بہت خوبصورت ہے وہ کہنے لگی اگر یہی بات تم پہلے پوچھ لیتیں تو میرا گھر کیوں جلتا۔ اسی طرح مرد السلام علیکم کہنے کے بعد ہی پوچھنے لگ جاتے ہیں کہ کہاں سے آئے ہو، کہاں جاؤ گے، کیا کام ہے، آمدنی کیا ہے، کتنے بچے ہیں، شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ، حالانکہ اس کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انگریزوں میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے سے بلاوجہ پوچھیں کہ کہاں ملازم ہو، کتنی تعلیم ہے، تنخواہ کیا ملتی ہے؟ وہ کبھی کرید کرید کر دوسرے کے متعلق حالات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے مگر ہمارے ہاں اس کو بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جن لوگوں کو بڑی بڑی باتوں کا خیال ہوتا ہے اُنہیں چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ اگر لوگوں کو دین کا فکر ہو اور انہیں معلوم ہو کہ اسلام آج کن مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے اور اس کی اشاعت کے لئے کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے تو انہیں لغو کاموں اور لغو باتوں کا خیال بھی پیدا نہ ہو۔ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو وہ بیٹھ کر گپیں مارنے نہیں لگ جاتا بلکہ دیوانہ وار دَوڑتا اور آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان غور کریں اور اُن کی روحانی آنکھ کھلی ہو تو انہیں معلوم ہو کہ آج کفر اور ایمان کی بڑی بھاری جنگ لڑی جارہی ہے شیطان اپنے تمام ہتھیاروں سمیت میدان میں اُترا ہوا ہے اور رحمان خدا کا لشکر بھی کفر کی سرکوبی کے لئے کھڑا ہے اور دونوں لشکروں میں وہ آخری جنگ جاری ہے جس میں ابلیس کا سر ہمیشہ کیلئے کچلا جائے گا۔ اگر ایسے نازک وقت میں بھی انہوں نے لغویات کو ترک نہ کیا اور اپنے فرائض کو سمجھنے کی کوشش نہ کی تو ان سے زیادہ بدقسمت اَور کون ہوگا! (تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۷)

شرحِ صدر سے دین کی خدمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"جو شخص دین کی خدمت کے واسطے شرح صدر سے اُٹھتا ہے خدا اُس کو ضائع نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

مشکلات اور مصائب سے نجات پانے کا طریق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک نادر مکتوب!

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام لوگوں کو دُکھ درد اور مشکلات و مصائب سے نجات دلانے اور انہیں اُس راہ پر گامزن کرنے تشریف لائے تھے کہ جس پر چل کر وہ خدا تعالیٰ کے مقرب بن سکیں اور اِس طرح ان کی پیدائش کی اصل غرض پوری ہو سکے۔ دینِ اسلام کے احیاء اور شریعتِ حقہ کے قیام کی علّت غائی یہی تھی کہ خدا اور بندوں کے درمیان جو بُعد اور دوری واقع ہو چکی ہے وہ دور ہو اور خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق پھر آستانۂ الوہیت پر سجدہ ریز ہو کر اُس کی رضا کے حصول کو اپنا منتہائے مقصود قرار دے لے۔

یہ کام مخلوقِ خدا کی سچی ہمدردی و غمخواری اور جانفشانی و جانسوزی کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام میں ہمدردی مخلوق کا جذبہ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ دوسروں کی مصیبت اور دُکھ درد کو دیکھ کر آپکا دل پگھل جاتا اور آپ اسے اپنا ہی درد اور اپنا ہی غم سمجھ کر خدا تعالیٰ کے حضور دعا میں مشغول ہو جاتے۔ پھر ساتھ ہی ہم و غم میں مبتلا دوست یا عزیز کو کمال درجہ غمخواری کے رنگ میں زرّیں نصائح فرماتے اور خدا پر توکّل کرنے اور اپنے سب معاملات اسی کے سپرد کر دینے اور دعاؤں اور ذکرِ الٰہی کے ذریعے اُسی سے استعانت چاہنے کی نہایت پُراثر انداز میں تلقین فرماتے۔ یہ زرّیں نصائح جو حضور علیہ السلام نے وقتاً فوقتاً مخلصینِ جماعت کو ان کے خطوط اور عرضداشتوں کے جواب میں تحریر فرمائیں ایک بیش بہا خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں ان سے استفادہ کر کے اور ان پر عمل پیرا ہو کر ہم بھی اپنی مشکلات اور مصائب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول میں کوشاں ہو کر اُس کے نزدیک سرخرو اور فائز المرام قرار پا سکتے ہیں۔

ایسے ہی بیش قیمت خطوط میں سے ایک وہ خط ہے جو حضور علیہ السلام نے ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ان کے ایک خط کے جواب میں دہلی سے تحریر فرمایا۔ اس نادر مکتوب میں حضورؑ نے مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنے کے طریق پر نہایت درجہ مؤثر اور روح پرور انداز میں روشنی ڈالی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ اِس غرض کے پیشِ نظر دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں کس درجہ انہماک ضروری ہے۔ افادۂ احباب کی غرض سے حضور علیہ السلام کا یہ بیش قیمت اور نادر مکتوب من و عن ذیل میں درج

کیا جاتا ہے :-

حضور علیہ السّلام کا مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ✻ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

عزیزی مجی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - اِس وقت آپ کا پریشانی سے بھرا ہُوا خط پڑھ کر میرے دل کو اس قدر قلق اور اضطراب کا صدمہ پہنچا جو مَیں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے بباعث طوق امراض وصدمات ضعفِ قلب ہے۔ کسی مخلص دوست کے غم سے بھری ہوئی بات کو سُن کر اِس قدر متاثر ہو جاتا ہوں کہ گویا وہ غم میرے پر ہی وارد ہو گیا۔ مجھے آپ کی غمخواری کے لئے بے اختیار ایک کشش اور کرب دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ القدیر میں پوری توجہ سے آپ کے لئے دعا کروں گا۔ مگر اے عزیز! آپ کو یاد رہے ہمارا آقا و مولیٰ ربّ السمٰوات والارض نہایت درجہ کا مہربان اور رحیم و کریم ہے کہ اپنے گناہ گار بندوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور آخر وہی ہے جو ان کے زخموں پر مرہم رکھتا ہے اور ان کی بے قراری کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے بندے کی آزمائش بھی کرتا ہے لیکن آخر کار رحم کی چادر سے ڈھانپ لیتا ہے اُس پر جہاں تک ممکن ہو توکل رکھو اور اپنے کام اُس کو سونپ دو، اس سے اپنی بہبودی چاہو مگر دل میں اس کی قضا و قدر سے راضی رہو۔ چاہیئے کہ کوئی چیز اس کی رضا سے مقدم نہ ہو۔ مَیں آپ کے لئے بہت دعا کرتا ہوں اور کروں گا اور اگر کچھ معلوم ہُوا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ درویشانہ سیرت سے ہر ایک نماز کے بعد گیارہ دفعہ لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پڑھیں اور رات کو سونے کے وقت معمولی نماز کے بعد کم سے کم اکتالیس دفعہ درود پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھیں اور ہر ایک سجدہ میں کم سے کم تین دفعہ یہ دعا پڑھیں یا حیّ یا قیوم برحمتک استغیث پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دیں اور اپنے لئے دعا کریں اور مرزا خدابخش کو کہہ چھوڑیں کہ جلد جلد مجھ کو اطلاع دیویں۔ دہلی میں آکر میری طبیعت بہت علیل ہو گئی ہے۔ اِس وقت خارش کی پھنسیاں ایسی ہیں جیسے شاخ کو پھل لگا ہُوا ہوتا ہے اسی وجہ سے بخار بھی رہا، ریزش بھی بشدّت ہو گئی۔ طبیعت ضعیف اور کمزور ہے لیکن مَیں نے نہایت قلق کی وجہ سے چاہا کہ آپ کے خط کو تاخیر میں ڈالوں۔ خدا تعالیٰ آپ کے غم اور درد دور کرے۔ اور

اپنی مرضات کی توفیق بخشے آمین ثم آمین -

والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد از دہلی کوٹھی نواب لوہارو

۲۴ ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

(مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم حصہ اوّل)

اِس مکتوب گرامی سے ظاہر ہے کہ ہمدردی و غمخواری کا یہ جذبہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہی مخصوص نہ تھا بلکہ ہر مخلص دوست کے لئے حضور علیہ السلام کے دل میں ہمدردی و غمخواری کے ایسے ہی جذبات موجزن تھے اور آپ ہر ایک کے غم کو اپنا ہی غم تصوّر فرماتے تھے چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں کہ:-

"کسی مخلص دوست کے غم سے بھری ہوئی بات سُن کر اس قدر متاثر ہو جاتا ہوں کہ گویا وہ غم میرے پر ہی وارد ہو گی"

اللہ! اللہ! ہمدردی و غمخواری کا کیسا عدیم النظیر جذبہ ہے کہ جو دوسروں کے غم کے بارہ میں یہ باور کرائے بغیر نہیں رہتا کہ یہ غم اپنا ہی غم ہے یہ مجھ پر ہی وارد ہوا ہے اور مَیں خود ذاتی طور پر اس میں مبتلا ہوں۔ ہمدردی و غمخواری کی یہ کیفیت دنیوی تعلقات اور علائق میں ملنی مشکل ہی نہیں محال بلکہ ناممکن ہے۔ پھر حضورؑ نے کس طرح دعا کی اہمیت واضح فرما کر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے اور اس سے مدد مانگنے کی تحریک فرمائی ہے اور نوافل کے رنگ میں ذکر الٰہی کی ترغیب دلا کر اپنے وجود کو جاذبِ نصرتِ الٰہی بنانے کی پُر زور و پُر اثر تلقین کی ہے۔ ہموم و غموم اور مشکلات و مصائب سے نجات پانے کا یہی حقیقی طریق ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہم بھی خدا تعالیٰ کے رحم کو جوش میں لا سکتے ہیں اور اپنے آپ کو اِس قابل بنا سکتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی تائید و نصرت حاصل ہو اور ہم اس کے پیارے اور مقبول بندے بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین +

"میری نصیحت"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو۔ خدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۹۸)

دو اقتداری پیشگوئیاں

(حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے ناظر تعلیم)

پنڈت لیکھرام کا قتل ۱۸۹۷ء میں ہوا۔ اُس وقت میری عمر ۱۰ سال کے لگ بھگ تھی اور میں رنگ محل مشن ہائی سکول کی ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ جس دن یہ واقعہ ہوا اُس دن میں اور میرے دوسرے ساتھی لنڈے منڈی کے رستہ واٹر ورکس اور اونچی مسجد کے درمیان سے گزرتے ہوئے قلعہ کی طرف جا رہے تھے جہاں ہم کرکٹ یا گلی ڈنڈا کھیلا کرتے تھے۔ ابھی تھوڑی دور ہی نکلے تھے کہ شور سُنائی دیا کہ کسی نے زہر دیدیا۔ قریب ہو کر دیکھا تو ایک سانولے رنگ کے نوجوان کو لوگوں نے پکڑا ہوا تھا۔ قدرے میانہ جسم مضبوط۔ معلوم ہوا کہ ایک نوجوان لڑکے کو اُس نے مسلمان خیال کر کے زہر آلود پیڑے کھانے کو دیئے تھے جس سے اس لڑکے کو قے ہونی شروع ہو گئی۔ چونکہ یہ واقعہ آناً فاناً ہوا لوگ کچھ متحیر تھے کہ یہ کیوں ہوا مگر اُس آریہ نوجوان نے اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہدیا کہ چونکہ مسلمانوں نے ہمارے ایک بڑے لیڈر کو قتل کر دیا ہے اسلئے ہم نے بدلہ لینا ضروری سمجھا۔ ان دنوں یہ معلوم ہوا کہ اِس قسم کی حرکات لاہور میں آریوں نے اور جگہ بھی کیں۔ چنانچہ اُس آریہ نوجوان کو ہم سب پکڑ کر لاہور کوتوالی میں لے گئے اور پھر پولیس کے حوالے کر دیا اب یہ یاد نہیں پڑتا کہ اس کا یا اسکے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا بہرحال واقعہ یہی ہے کہ آریہ لوگ مارے غصہ کے دیوانہ ہو گئے تھے اور وہ اِس قسم کی مجنونانہ حرکات کرنے پر اُتر آئے تھے۔

لاہور شہر میں اِس کا ردِّ عمل ایک دوسری صورت میں یہ ہوا کہ مسلمانوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ اب تک دودھ، دہی، حلوائی اور آٹا دال گھی وغیرہ کی تجارت کُلّی طور پر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ دودھ، دہی، لسّی وغیرہ وہ اپنے مسلمان گاہکوں کو اچھوتوں کے رنگ میں دیتے تھے۔ مسلمانوں کے برتن الگ ہوتے جن میں دودھ لسّی وغیرہ دو فٹ اُوپر سے ڈالی جاتی تھی اور دہی مٹھائی وغیرہ تول کر دونوں میں دھوتی پر صاف کر کے دی جاتی تھی۔ اب جبکہ زہر کھلانے کے واقعات ہوئے تو مسلمان چونک اُٹھے اب کیا تھا محلّہ محلّہ اور گلی گلی میں وعظ اور مجالس ہندوؤں کے خلاف ہونی شروع ہو گئیں۔ مسلمان دودھ دہی کی دکانیں مسلمان حلوائیوں کی دکانیں اور عام سودا سلف کی دکانیں دھڑا دھڑ کُھلنی شروع ہو گئیں۔ نیز اگر کسی مسلمان کا ہندو محلّہ میں گزر ہو جاتا تو اُسے ہندو لونڈے پیٹتے اور اگر کسی ہندو کا گزر مسلمان علاقہ میں سے ہو جاتا تو اُسے مسلمان لڑکے پیٹتے۔ مگر یہ بات زیادہ تر لڑکوں کی ٹولیوں تک محدود رہی۔ اگرچہ مخالفت کی آگ ہر دو قوموں کے اندر سُلگنی شروع ہو گئی تاہم یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اب یہ عام تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آنی شروع ہو گئی۔ لاہور سے نکل کر یہ رَو تمام پنجاب میں پھیل گئی اور اس طرح مسلمانوں کی اقتصادی حالت ہر جگہ سُدھرنی شروع ہو گئی۔ اِسی سلسلہ میں یہ ذکر کرنا بھی غیر متعلق نہ ہو گا کہ راجپال کے کیس میں ایسی قسم کے حالات جب رونما ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے اِس تحریک کو مضبوط بنایا اور سابقہ پنجاب اور ملک کے دوسرے حصّوں میں جابجا مسلمانوں کو تجارت کو اپنے ہاتھ میں

لینے کی تحریک کی اس طرح مسلمانوں کے اقتصادی حالات کے بہتر بنانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانشینوں نے بہت بڑا کام کیا۔

لیکھرام کی پیشگوئی کے ضمن میں دو ایک باتیں نہایت ہی تعجب انگیز ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک کشف ہے جو حضورؑ نے قبل از وقت شائع کر دیا تھا اس میں حضورؑ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے کشف میں دیکھا کہ ایک فرشتہ بڑی مہیب اور ڈراؤنی شکل والا میرے پاس آیا۔ اس کی شکل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ملائکہ شداد غلاظ میں سے ہے اور وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے اور ساتھ ہی ایک اور آدمی کا نام لیتا ہے جو مجھے یاد نہیں آرہا۔ چنانچہ لیکھرام کے قاتل کے متعلق کئی قسم کی روایتیں ہیں مگر اُن میں سے دو نہایت عجیب ہیں۔ ایک تو منشی رام صاحب نے لیکھرام کے جیون چرتر کے ضمن میں بیان کی ہے کہ قاتل قتل کرنے کے بعد سیڑھیوں سے دھم دھم کرتا ہوا اُترا اور وہ آواز لوگوں نے سُنی مگر اُس کے بعد وہ چھائیں مائیں ہوگیا۔ نہیں معلوم کہ وہ زمین میں گھس گیا یا آسمان پر چلا گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ لیکھرام کی والدہ نے اُسکو ایک کمرہ میں داخل ہوتے دیکھا جس کی اُس نے فوراً باہر سے کُنڈی لگا دی لیکن پولیس کے آنے پر باوجود کُنڈی کے بند ہونے کے قاتل کا پتہ نہ چلا۔ گویا اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ پتہ نہیں زمین میں گھس گیا یا آسمان پر چلا گیا۔ گورنمنٹ کی مشینری پورے طور پر حرکت میں آئی اور سارے پنجاب اور ہندوستان کا کونہ کونہ چھانا گیا۔ آریہ اور ہندو قوم نے بھی پوری کوشش کی کہ قاتل کا سراغ مل سکے لیکن نہ ملنا تھا نہ ملا کیونکہ یہ تو ایک غیبی ہاتھ تھا۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ ایک فرشتے کے ذریعہ سے یہ کام سرانجام پایا اور اس قتل کی ہیبت بھی جو تمام ہندو قوم پر وارد ہوئی وہ بھی واقعی فرشتہ کا کام ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنا ہیبت ناک ہاتھ دکھلایا۔

آریہ قوم ایک مشرک قوم ہے جو اللہ تعالیٰ کو محض جوڑنے جاڑنے والا تصور کرتی ہے اور قدرت اور طاقت سے اُسے عاری سمجھتی ہے اُس پر اس پیشگوئی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کو تمام طاقتیں حاصل ہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل آتھم والی پیشگوئی میں ایک اہل کتاب قوم تھی جس کے عقیدہ کی بنیاد توبہ کے انکار اور کفارہ پر اصرار پر مبنی تھی۔ آتھم کو مہلت دیکر اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ توبہ کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کے غضب سے بچ سکتا ہے اور کفارہ کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ ان دونوں پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ کا صاحب قدرت و اقتدار اور صاحب تصرف ہونا پورے طور پر ثابت ہوگیا۔

تبتّل ـــــــ انقطاع الی اللہ

(مکرّم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

۱

تبتّل اور انقطاع الی اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کامل طور پر خدا کی طرف راغب ہو جائے، اس طرح کہ دنیا اور دنیا والوں پر نظر نہ رکھے۔ انہیں مردہ تصوّر کرتے ہوئے ہر بات میں خدا ہی کی طرف جھکے اور اسی سے سب کچھ مانگے، ہر لحاظ سے دین کو دنیا پر مقدّم رکھے اس طرح کہ دین کے مقابلہ میں دنیا کی کسی چیز، مال و دولت، اثر و رسوخ، عزّت و جاہ اور رشتہ داری وغیرہ کی پرواہ نہ کرے۔ اسی کا نام توکّل اور تبتّل ہے۔ کوئی متوکل اور متبتّل انسان دنیوی ذرائع پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اُس کا دل اس یقین سے لبریز ہوتا ہے کہ ہر چیز خدا ہی کے قبضۂ و اختیار میں ہے وہ اگر کوئی چیز دینا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور اگر خدا تعالےٰ کسی انسان کو کسی چیز سے محروم رکھنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے وہ چیز دے نہیں سکتی۔

بعض اوقات ایک انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے تگ و دَو کرتا ہے اور اس تگ و دَو پر ہی اسے اعتماد ہوتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی سفارش اور فلاں ذریعہ کے استعمال سے اس کا کام ہو جائے گا۔ تگ و دَو اور دوڑ دھوپ سے اسلام منع نہیں کرتا۔ مگر اس تگ و دَو، دوڑ دھوپ اور دنیوی ذرائع کے استعمال ہی کو کامیابی کی کلید سمجھنے سے اسلام منع کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

انّ الّذین تعبدون من دون اللّٰه لایملکون لکم رزقًا فابتغوا عند اللّٰه الرزق واعبدوہ واشکروا لہٗ ۔ (العنکبوت ع ۲)

کیا تم اپنی مقصد براری کے لئے کسی انسانی اور دنیوی ذریعہ پر کامل اعتماد رکھتے ہو؟ پھر تو تم نے گویا انہی انسانی ذرائع کو خدا بنا لیا جو شرک ہے یہ تو تمہیں کچھ نہیں دے سکتے ان کے پاس تو تمہارے لئے کوئی رزق نہیں۔ پس صرف خدا ہی سے رزق چاہو اسی کے بندے بنو اور اسی کا شکر ادا کرو۔

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے دنیوی ذرائع پر اعتماد و انحصار سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ "بیدک الخیر"

سب خیر اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ انسان کو ہر مشکل کے وقت خدا کی طرف جھکنا چاہیئے اور اسی سے مدد مانگنی چاہیئے پھر اس کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے دئے ہوئے وسائل سے کام لے مگر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات ذہن میں نہ آنے دے کہ یہ وسائل اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر بھی مفید مطلب ہو سکتے ہیں ورنہ وہ انہی وسائل کو خدا کا رتبہ دے رہا ہوگا جو خدا کے ایک بندے سے بعید ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم صرف اسے ہی خدا سمجھو اور کسی دنیوی ذریعہ کو خدا کا درجہ مت دو۔ سب کچھ اسی سے مانگو اور اسی کے بندے بن کر اس کے حضور جھکو۔ پھر دیکھو تمہارا مولا اور آقا تم پر کس طرح بے حساب فضل کرتا ہے؛

اسی طرح بعض اوقات ایک شخص کا دل گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ فلاں بات صحیح اور اللہ تعالیٰ کے منشا کو پوری کرنے والی ہے۔ مگر علانیہ اس کی تصدیق و حمایت محض اس لئے نہیں کرتا کہ لوگ اسے بُرا بھلا کہیں گے ایسا شخص خدا کی جبروت و عظمت کا قائل نہیں۔ بلکہ لوگوں کی ہیبت اس کے دل پر زیادہ طاری ہے اور یہ امر شرک کے مترادف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"غرض تبتّل کیا ہے؟ خدا کی طرف انقطاع کر کے دوسروں کو مُردہ سمجھ لینا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجا اور درست ہے مگر جب ان سے کہا جائے کہ پھر تم اس کو قبول کیوں نہیں کرتے تو وہ یہی کہیں گے کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں پس یہ خیال کہ لوگ اسے بُرا کہتے ہیں یہی ایک رگ ہے جو خدا سے قطع کراتی ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور اس کی عظمت و جبروت کی حکومت کے ماتحت انسان ہو پھر اس کو کسی دوسرے کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کیا کہتا ہے کیا نہیں۔ ابھی اس کے دل میں لوگوں کی حکومت ہے نہ خدا کی۔ جب یہ مشرکانہ خیال دل سے دور ہو جائے پھر سب کے سب مُردے اور کیڑے سے بھی کمتر اور کمزور نظر آتے ہیں۔ اگر ساری دنیا مل کر بھی مقابلہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص حق کو قبول کرنے سے رک جائے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۶۰-۶۱)

(۲)

کوئی کام شروع کرنے سے قبل ایک مومن انسان کو یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اس میں خدا راضی ہوتا ہے یا انسان۔ اگر اس نے انسانوں کو راضی کرنے کی غرض سے خدا کو ناراض کر لیا تو یہ سودا گھاٹے کا سودا ہے اور اگر اس نے دنیا کو ناراض کر لیا مگر وہ خدا کو ناراض کرنے کے لئے تیار نہ ہوا تو اس نے گویا خدا کو پا لیا اور جس نے

خدا کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا۔ ایک مردِ مومن خدا کی رضا کے لئے کسی چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ خدا کے مقابل پہ دنیا کی محبت اس کے دل میں سرد ہو چکی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

"پس تم یاد رکھو کہ تم ہر کام میں دیکھ لو کہ اس میں خدا راضی ہے یا مخلوقِ خدا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو جائے کہ خدا کی رضا مقدم ہو جائے اور کوئی شیطان رہزن نہ ہو سکے اُس وقت تک ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن جب دنیا کی برائی بھلائی ہی نہ ہو بلکہ خدا کی خوشنودی اور ناراضگی اس پر اثر کرنے والی ہو یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان ہر قسم کے خوف و حزن کے مقامات سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد دوم ص۳۶۱)

(۳)

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ ۔ اے مومنو! محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے لئے ہر لحاظ سے اُسوۂ حسنہ ہیں اس لئے ہر بات میں انہی کے اسوہ کو ملحوظ رکھو اور انہی کے نقش قدم پہ چلو دوسری جگہ اللہ تعالےٰ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ ان سے کہہ اے مومنو! اگر تم خدا تعالےٰ کی محبت کے دعوے دار ہو تو پھر میری پیروی کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ بھی تم سے محبت کرنا شروع کر دیگا۔

جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر نظر کرتے ہیں تو اس میں ہمیں تبتل اور انقطاع الی اللہ کا بےمثال اور عدیم النظیر نمونہ نظر آتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام تبتّل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

" تبتل کا عملی نمونہ ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ آپؐ کو کسی کی مدح کی پرواہ نہ ذمّ کی۔ کیا کیا آپ کو تکالیف پیش آئیں مگر کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ کوئی لالچ اور طمع آپؐ کو اُس کام سے روک نہ سکا جو آپؐ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ جب تک انسان اس حالت کو اپنے اندر مشاہدہ نہ کر لے اور امتحان میں پاس نہ ہو لے کبھی بھی بے فکر نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص متبتل ہو گا متوکل بھی وہی ہوگا۔ گویا متوکل ہونے کے واسطے متبتل ہونا شرط ہے کیونکہ جب تک اوروں کے ساتھ تعلقات ایسے ہیں کہ ان پر بھروسہ اور تکیہ کرتا ہے

اس وقت تک خالصتہً اللہ پر توکل کیسے ہو سکتا ہے۔ جب خدا کی طرف انقطاع کرتا ہے تو وہ دُنیا کی طرف سے توڑتا ہے اور خدا میں پیوند کرتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ کامل توکل ہو۔ جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل متبتل تھے ویسے ہی کامل متوکل بھی تھے اور یہی وجہ ہے کہ اتنے وجاہت والوں اور قوم و قبائل کے سرداروں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور انکی مخالفت سے کچھ بھی متأثر نہ ہوئے۔ آپؐ میں فوق العادت یقین خدا تعالےٰ کی ذات پر تھا۔ اسی لئے اس قدر عظیم الشان بوجھ کو آپؐ نے اٹھا لیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی اور انکی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی یہ بڑا نمونہ ہے توکل کا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اس لئے کہ اس میں خدا کو پسند کر کے دنیا کو مخالف بنا لیا جاتا ہے مگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی جب تک گویا خدا کو نہ دیکھ لے، جب تک یہ امید نہ ہو کہ اس کے بعد دوسرا دروازہ ضرور کھلنے والا ہے۔ جب یہ امید اور یقین ہو جاتا ہے تو وہ عزیزوں کو خدا کی راہ میں دشمن بنا لیتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا اور دوست بنا دے گا۔ جائداد کھو دیتا ہے کہ اس سے بہتر ملنے کا یقین ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۶۲)

اللہ تعالےٰ ہمیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے اور صحیح معنی میں متبتل اور متوکل بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ÷

تقویٰ شعاری کا معیار!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کُل اثاث البیت لیکر حاضر ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۹۶)

صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض غیر مطبوعہ روایات

(مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ ربوہ)

مورخہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی محترم مولوی غلام نبی صاحب منشی فاضل ساکن پنڈی لالہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات سے سرگودھا شہر میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ اس زمانہ میں گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا میں مدرس تھے۔ اس ملاقات میں آپ نے میری درخواست پر اپنے قبولِ احمدیت کی حسب ذیل سرگزشت اور بعض روایات قلمبند کرائیں۔ محترم مولوی صاحب اب وفات پا چکے ہیں آپ بہت مستجاب الدعوات بزرگ تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رؤیا و کشوف کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ اس موقع پر آپ نے اپنی قبولِ احمدیت کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

محترم مولوی غلام نبی صاحبؓ کی قبولِ احمدیت کی سرگزشت

"میں نے بہت چھوٹی عمر میں جبکہ میں ابھی بارہ سال کا ہی تھا خواب میں دیکھا تھا ایک سورج اور دو چاند ہیں جو برابر روشنی دے رہے ہیں۔ میں نے لوگوں سے اس کی تعبیر پوچھی۔ اس پر ایک شخص نے یہ تعبیر بتائی کہ بڑے ہو کر تمہیں بہت کامل مرشد ملے گا اور تم اس سے بہت فیض حاصل کرو گے۔

"جب میں ذرا بڑا ہوا تو ۱۸۹۸ء میں ایک احمدی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے تبلیغ کی اور بتایا کہ مسیح موعود کی بعثت عمل میں آ چکی ہے اور یہ کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ہی مسیح موعود اور امام مہدی ہیں۔ ان کی باتوں سے مجھے پتہ چلا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ امام مہدی ہونے کا ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں ہیں بلکہ تمام دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں۔

"اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شکل کے بزرگ ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (یعنی اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ) میں نے جب اس بزرگ کی زبان سے یہ آیت سنی تو اس کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اگلے روز صبح جب میں بیدار ہوا تو میرے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی سے اس آیت کے معنی پوچھوں۔ میں اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس کے معنی دریافت کئے۔ انہوں نے کہا مجھے بتاؤ بات کیا ہے اس آیت کے معنی کیوں پوچھتے ہو۔ میں نے انہیں اپنا خواب سنا دیا۔ وہ خواب سن کر خاموش ہو رہے اور پھر مجھے آیت کے معنی بتا دیئے۔ آخر میں جب اللہ تعالیٰ نے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس بزرگ کی شکل میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ فرق صرف

اتنا تھا کہ اُس بزرگ کی داڑھی سفید تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حنا شدہ۔

"۱۹۰۲ء میں پھر ایک احمدی سے ملاقات ہوئی۔ مَیں اور وہ احمدی دوست دونوں ایک مسجد میں نماز ادا کرنے لگے۔ انہوں نے جماعت سے الگ نماز پڑھی۔ اس بات سے ایک دفعہ پھر میری توجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی طرف پھر گئی۔ دل میں شدید تحریک پیدا ہوئی کہ آپ کے دعوے پر غور کرنا چاہیئے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ آپ اپنے دعوے میں صادق ہیں یا نہیں۔ مَیں نے التزام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچا کہ اُجیبُ دعوۃ الداع اذا دعان (یعنی جب دعا کرنے والا دُعا کرتا ہے تو مَیں اس کی دُعا کو قبول کرتا ہوں) تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ خود ہی مجھ پر اس امر کی حقیقت کھول دے کہ آیا حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ مَیں نے التزام کے ساتھ یہ دعا شروع کر دی۔

"اس کے کچھ عرصہ بعد مَیں نے خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ آئے ہیں اُن میں سے ایک کی نسبت بتایا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور دوسرے بزرگ کے متعلق دل میں ڈالا گیا کہ آپ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خواب میں مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور سیدھا راستہ کونسا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم تمہاری آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اِس طرح تمہیں سیدھا راستہ نظر آجائے گا۔ حضورؐ نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھا لیکن مجھے صاف طور پر نظر نہ آیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا تم اپنے کپڑے کو اپنی آنکھوں پر رکھو پھر ہم اس پر ہاتھ رکھیں گے تو تمہیں سیدھا راستہ نظر آجائے گا لیکن پھر بھی صاف نظر نہ آیا۔ حضورؐ نے فرمایا دراصل تمہارے کپڑے کا کنارہ پاک نہیں ہے اس لئے تمہیں صاف نظر نہیں آرہا لیکن تھوڑی دیر بعد تمہیں نظر آجائے گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مجھ پر حق کھُل گیا اور مَیں نے ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔

"پہلی دفعہ مَیں ۱۹۰۶ء میں قادیان گیا۔ جلسہ سالانہ کا موقع تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذوالقرنین کے متعلق تقریر ارشاد فرمائی۔ تقریر سُن کر مَیں نے دل میں کہا حضرت صاحب سے بڑھ کر اعلیٰ پایہ کا مقرر مَیں نے اپنی زندگی میں اَور کوئی نہیں دیکھا۔ حضورؑ نے یہ تقریر مسجد اقصیٰ میں فرمائی تھی ــــــ حضرت صاحبؑ کے بعد حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر شروع کی مَیں اُس وقت تک اُن سے واقف نہ تھا۔ جب اُن کی تقریر سُنی تو حضرت صاحبؑ کی تقریر کے مقابلے میں مجھے وہ بہت پھیکی معلوم ہوئی۔ مَیں نے کہا اب اس تقریر کا کیا لطف حضرت صاحب کی تقریر کے بعد تو یہ تقریر پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ اِس پر برابر میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بتایا کہ یہ تو حضرت مولوی نور الدین صاحب ہیں۔ اُس کی یہ بات سُن کر مَیں خاموش ہو گیا۔

"دوسری بار ۱۹۰۷ء میں قادیان گیا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا کہ "۲۷ کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) واللہ خیر و ابقیٰ"۔

(باقی صـ۳۴ پر)

سِیرُوْا فِی الْاَرْضِ کا قرآنی حکم

اور

اُس کے اغراض و مقاصد کی وضاحت

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ (الانعام ع۲) یعنی (اے رسول تو لوگوں کو) کہہ کہ تم زمین میں سفر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ عموماً انبیاء کی بعثت کے موقعہ پر بنی نوع انسان اپنی طاقت و قوت پر گھمنڈ کرتے ہوئے انبیاء کے پیغام کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے، نہ صرف یہ بلکہ سراسر ظلم کے طریق سے وہ اس پیغام کی اشاعت میں روکیں ڈالتے ہیں۔ طرح طرح سے انہیں دھمکیاں دیتے ہیں مثلاً فرعون بنی اسرائیل کے متعلق کہتا ہے:۔ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ○ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ○ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ○ (الشعراء ع۴) یہ ایک قلیل سا گروہ ہے اور ہمیں غصہ دلا رہا ہے۔ اور ہم بہت بڑی جماعت ہیں جو بہت محتاط ہیں۔ یعنی ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور انہیں تباہ کر کے رکھ دیں گے کبھی مخالفینِ انبیاء انہیں ملک بدر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے:۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا (الاعراف ع۱۱) یعنی ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے سوائے اس کے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے گزشتہ انبیاء کے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ایک حقیر ابتداء سے ترقی دیتے ہوئے باوجود ان تمام مظالم اور زیادتیوں کے اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کرتا اور ان کے مخالفین کو ناکام و نامراد رکھتا ہے۔ آیت مندرجہ بالا میں اللہ تعالیٰ خصوصاً کفار کو توجہ دلاتا ہے کہ جس طرح تم سمجھتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک بے طاقت اور بے سہارا وجود ہیں اور تم انہیں اور ان کی جماعت کو تباہ کر دو گے بالکل اسی طرح فرعون، موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے متبعین کے متعلق گمان کرتا تھا لیکن دیکھو ہر نبی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ یہ معجزہ دکھاتا رہا کہ کمزور غالب آتے اور طاقتور مغلوب ہوتے رہے ہیں اسی طرح اِس زمانے میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ گویا اِن تاریخی مطالعہ کے نتیجے میں ہر سلیم فطرت اِس امر پہ آمادہ ہو جائے گی کہ وہ اپنے نبی کی آواز پر کان دھرے۔ اگر وہ صرف یہ دیکھے کہ وہ پیغام جو ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے یا کہ نہیں اور مومنوں کی ظاہری بیکسی اور بے بسی سے ٹھوکر نہ کھائے کیونکہ اُن کا حامی و مددگار ایک قادر خدا ہے جس کی طاقت و قدرت کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔

کفار کے علاوہ اِس آیت میں خود مومنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ یعنی مومنوں کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی انبیاءِ سابقہ کے مخالفین کے انجام سے عبرت پکڑیں۔ انبیاء صرف اس لئے مبعوث نہیں ہوتے کہ لوگ صرف تسلیم کر لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں بلکہ اس لئے مبعوث ہوتے ہیں کہ لوگ ان کو نبی تسلیم کرنے کے نتیجے میں اُن کی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ گویا اصل مقصود گمراہی کا استیصال اور تعلیم حقّہ کا قیام ہوتا ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے شعیبؑ نبی کی قوم وزن اور ناپ میں کمی کیا کرتی تھی، ڈاکے ڈالا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی کے نتیجے میں انہیں تباہ کر دیا۔ اسی طرح اے مسلمانو! اگر تم بھی تجارت میں دغا فریب سے کام لوگے، وزن اور تول میں کمی کرو گے تو تم خدا تعالیٰ کے عذاب سے صرف اس لئے نہیں بچ سکتے کہ تم ظاہرا طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہو کیا وجہ ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اِن جرائم کی بناء پر تباہ کر دیا لیکن وہ تمہاری خاص رعایت کرے گا۔ بلکہ تمہارا جرم تو دوہرا ہے، ایک تم گمراہ ہوگے دوسرے ہمارے پاک نبیؐ کے دین کو بدنام کرنے والے بھی ہوگے۔ کئی لوگوں کو تمہاری گمراہی کی وجہ سے ٹھوکر لگ سکتی ہے اس لئے تم دوہری سزا کے مستحق ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں عذاب فسق و فجور اور گمراہی اور ضلالت کے راستوں پر مُصر ہونے کی وجہ سے ہی آتا ہے۔ اگر لوگ بداعمالیوں میں مبتلا نہ ہوں بلکہ صلح اور امن کے راستوں پر گامزن ہوں تو صرف اختلافِ مذہب کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (السجدہ عٓ) یعنی تیرا رب اپنے مرسلین اور ان کے منکرین کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا ہر اُس امر کے متعلق جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ نبی تو صرف انذار کرنے کے لئے آتا ہے کہ اے لوگو تم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی کے مستحق بن چکے ہو ابھی وقت ہے کہ اصلاح کر لو۔ ہاں جب لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں، اسے استہزاء اور مظالم کا نشانہ بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اُس کے غضب کے مخفی ارادے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نبی کی تکذیب

ایک فوری اور وقتی محرک بن جاتی ہے عذاب کی اصل وجہ اُن کی وہی حالت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اور جس کی اصلاح کی خاطر وہ نبی مبعوث کیا گیا تھا۔ پس تمام مسلمانوں کو اِس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر اُن میں وہ خرابیاں اور گمراہیاں موجود ہیں جو گزشتہ انبیاء کی اقوام میں تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف اسلام کی طرف منسوب ہونا انہیں اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ جن جرائم کی وجہ سے لوطؑ کی بستی تباہ ہوئی، جن بداعمالیوں کی وجہ سے مدین والے موردِ عذاب ہوئے، کیا وجہ ہے کہ مسلمان اگر ان راستوں پر چلیں تو وہ اللہ تعالےٰ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ آجکل دھوکا دہی، فریب، وزن ناپ تول میں کمی ہمارے معاشرہ میں بھی عام ہے۔ بلیک مارکیٹ زوروں پر ہے، سزائیں بھی ملتی ہیں، حکومت پوری کوشش کرتی ہے کہ اِن جرائم کا سدِّ باب کیا جائے مگر ان بداعمالیوں کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے بھی نتیجہ نکلا کرتا ہے اور وہ نتیجہ اُسی رنگ کا ہو سکتا ہے جو گزشتہ اقوام کے سامنے آیا۔

پس مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے بھی فرماتا ہے کہ دیکھو اصل مقصد انبیاء کی بعثت کا یہ ہے کہ ان کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔ اگر ان کی مخالفت کرکے گزشتہ اقوام ہلاک ہوئیں تو تم بھی ہلاک ہوگے۔

قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا کلام ہے جو ایسے سمندر کی طرح ہے جس کے جواہرات اور موتیوں کی حدبندی نہیں ہو سکتی۔ آیت مندرجہ بالا میں دو مطالب کے علاوہ بعض اور دائمی حقائق اور مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اِس آیت کے پڑھنے سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ انسانوں کو زمین میں سفر اختیار کرکے مختلف ملکوں کے موجودہ اور پُرانے حالات کا مطالعہ کرنے کی تحریک کرتا ہے تاکہ وہ صرف یہ دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ حالانکہ مختلف ممالک کا سفر کئی مقاصد کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے لئے، تجارت کی ترقی کے لئے، اپنے ملک کی جسمانی، سیاسی اور معاشی ترقی کی راہیں دریافت کرنے کے لئے۔ مندرجہ بالا روحانی مقاصد کے علاوہ بیسیوں اور بھی تو عظیم الشان مقاصد ہیں جن کے تحت انسان پر دوسرے ممالک کا سفر کرنا واجب ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ فرماکر کہ "دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا" ایک وسیع مضمون کو محدود کیوں کر دیا؟ یہ سچ ہے کہ دُنیا کی سیر کے لئے مخالفینِ انبیاء کے انجاموں سے عبرت حاصل کرنا سب سے اہم مقاصد میں سے ہے لیکن اِس کے علاوہ جسمانی، علمی، صنعتی، معاشی، تجارتی اور سیاسی ترقی کی راہیں دریافت کرنے کے لئے بھی دُنیا کی سیر کی جاتی ہے کیا اِن امور کا بھی اِس آیت میں تذکرہ پایا جاتا ہے یا کہ نہیں؟

سو گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن تمام مقاصد کا اِسی آیت کریمہ میں تذکرہ کر دیا ہے اور وہ اِس طرح کہ اِس آیت میں "انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام" کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ صرف جھٹلانے والوں کے انجام" کو

دیکھنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ پس اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں سفر کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ یہ قوانین زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ قانونِ شریعت سے بھی، سیاست سے بھی، تجارت سے بھی، صحتِ جسمانی سے بھی، قیامِ امن سے بھی اور بین الاقوامی تعلقات سے بھی۔ غرضیکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ترقی اور سلامتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قوانین نافذ نہ کئے ہوں۔ صحتِ جسمانی کو ترقی دینے کے اصول بھی مقرر ہیں۔ اگر ہم اپنے ملک میں صحتِ عامہ کی ترقی کے خواہاں ہیں تو لازماً ہمیں اللہ تعالیٰ کے اُن قوانین کو اپنانا پڑے گا جو اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

ایک دوسری جگہ سورۂ نمل رکوع ۶ میں اللہ تعالیٰ نے عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ کی بجائے اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ پس مراد یہی ہے کہ اُن لوگوں کے انجام کا مطالعہ کرو جو الٰہی قوانین کے توڑنے کا جرم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (البقرہ ع ۲۴) کہ تم گھروں میں (مقررہ) دروازوں میں سے داخل ہوا کرو۔ گویا ہر گھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دروازہ مقرر کیا ہے جب تک ہم اس دروازے میں داخل نہیں ہوتے ہم اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم کسی اور ذریعہ سے داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو کئی قسم کی خرابیاں اور قباحتیں پیدا ہوں گی۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی سیر کر کے دیکھے کہ کن کن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مختلف قسم کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر ترقی کی ہے اور کن کن لوگوں نے اُن قوانینِ فطرت کی مخالفت کر کے تنزل کی طرف قدم اٹھایا۔ اس باہمی مقابلے سے اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے قوانین کو اپنانے کی افادیت مکمل طور پر ظاہر ہو جائے گی اور دنیا ترقی کی طرف قدم اٹھائے گی۔ مثلاً صحتِ عامہ کو ہی لے لیں۔ ایک پاکستانی دیہاتی انگلستان اور امریکہ کی سیر کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس کے اپنے ملک اور علاقے میں جب ملیریا کا موسم آتا ہے تو بے شمار لوگ بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کبھی ہیضہ پھوٹ پڑتا ہے، کبھی سینکڑوں لوگ ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن یورپ میں یہ امور نظر نہیں آتے۔ لوگوں میں وہ چستی اور جوش عمل اور جسمانی صحت کا بلند معیار نظر آتا ہے جو اس کے اپنے ملک میں نہیں۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ یورپ نے اللہ تعالیٰ کے کن کن قوانینِ صحت پر عمل کر کے ان بیماریوں کا اپنے ملکوں سے قلع قمع کر دیا ہے کہ اُس کے اپنے ملک کے باشندوں نے ان قوانین پر عمل نہ کر کے دوسرے لفظوں میں اُن کی عملی تکذیب کر کے کیا نقصان اُٹھایا ہے اور اُٹھا رہے ہیں۔ اس باہمی مقابلے سے اُس دیہاتی پر صحت کے قوانین پر عمل کرنے کی ضرورت اور اہمیت واضح ہو جائے گی۔ اس صورت میں اُس کی اپنی قوم مکذبین

میں شامل ہو گی اور یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ اقوام اِن قوانین کی تصدیق کرنے والی قرار پائیں گی تب اُس پاکستانی دیہاتی کے دل میں جوش پیدا ہوگا کہ میں بھی اپنے وطن واپس جاتا ہوں اور یورپ کی طرح ہم بھی اپنے علاقوں سے مکھیوں، مچھروں اور ہر قسم کے گند و غلاظت اور عفونت کا قلع قمع کریں گے اور اُسی طرح اپنے وطن کو بیماریوں سے پاک کریں گے۔ بہرحال دُنیا کی سیر کرنے سے ہم اپنے ملک اور دوسرے ملک کے حالات کا مقابلہ اور موازنہ کریں گے۔ اگر کسی شعبۂ زندگی میں دوسرے ممالک ترقی یافتہ ہیں اور ہم پس ماندہ ہیں تو لازمی طور پر اس کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے قوانین کو نظری یا عملی طور پر جھٹلایا ہے اور دوسرے ممالک نے اپنایا ہوا ہے۔ اس صورت میں دوسری اقوام کے آئینے میں ہمیں اپنی خستہ حالی اور اس کی وجوہات نظر آجائیں گی۔ اِسی طرح اگر کوئی دوسری قوم پس ماندگی کی حالت سے دوچار ہوگی اور ہمارا ملک اُس عیب سے پاک ہوگا تب بھی باہمی مقابلے سے ہم پر واضح ہو جائے گا کہ ہم نے الٰہی قوانین پر عمل کیا اور ترقی کی اور اُن لوگوں نے اِن قوانین کی تکذیب کی اور قعرِ مذلت میں جاگرے۔ تب ہمیں اپنے صحیح طریقِ عمل پر مزید بشاشت اور شرح صدر حاصل ہو جائے گا۔

یورپ و امریکہ کی سیر سے جہاں ہم پر یہ امر واضح ہوگا کہ دنیاوی زندگی کے بعض شعبہ جات میں انہوں نے کیسے عظیم الشان رنگ میں الٰہی قوانین کو اپنایا اور اُن سے فائدہ اٹھایا اُس کے برعکس ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اخلاقی امور میں، جنسی جذبات کی تسکین اور عورت و مرد کے میل جول کے سلسلے میں انہوں نے کس طرح قوانینِ فطرت کی تکذیب کی ہے اور کس طرح وہ بھیانک انجام سے دوچار ہو رہے ہیں۔ الغرض دنیا کی سیر کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہم روحانی، جسمانی دونوں زندگیوں پر ماضی اور حال کے آئینوں میں نظر ڈالیں اور اقوامِ عالم کے مختلف حالات سے سامانِ عبرت حاصل کریں۔ جہاں ہمیں یہ نظر آئے کہ بعض اقوام نے بعض شعبہ ہائے زندگی میں ایک جنتی کیفیت حاصل کر لی ہے وہاں ہم اُن کے آئینہ میں بعض دوسری اقوام کی زبوں حالی کی تفاصیل کا جائزہ بھی لیں اور دیکھیں کہ کس طرح قوانینِ فطرت کی تکذیب کر کے تباہ ہو رہی ہیں۔

اسی طرح ہم اقوام کے حالات کا مطالعہ خود اُن کی اپنی ماضی اور حال کا موازنہ کر کے بھی کر سکتے ہیں اور اہم صداقتیں حاصل کر سکتے ہیں مثلاً کس طرح جفاکشی اور جواں مردی کی بنا پر بابر نے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی لیکن اورنگ زیب کے نااہل جانشینوں نے کس طرح عیاشی اور سستی کی وجہ سے اُسے تباہ کر دیا الغرض آیت مندرجہ بالا صرف انبیاء کے مخالفین کے انجام پر ہی انحصار نہیں رکھتی بلکہ اُن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کے انجام کے مطالعہ کی طرف ہمیں ترغیب دیتی ہے اور یہ مطالعہ بہترین طور پر دو قوموں میں مقابلہ اور موازنہ یا کسی قوم کے ماضی اور حال کا موازنہ کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہماری گورنمنٹ بھی اپنے ماہرین کو مزید تعلیم و تربیت کے لئے باہر بھجواتی ہے تا وہ وہاں کے بہتر طریقوں کا مطالعہ کریں اور پھر انہیں سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں رائج کریں۔ دوسرے ملکوں کی اعلیٰ تعلیم کو حاصل کریں اور یہ بھی دیکھیں کہ انہوں نے اِس اعلیٰ تعلیم سے کون کون سے اعلیٰ مقاصد حاصل کئے ہیں۔ اور ہم نے اِس اعلےٰ تعلیم سے محروم رہ کر کیا نقصان اُٹھایا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے کلام نے مضمون کو محدود نہیں کیا بلکہ بین الاقوامی سفروں کے تمام مقاصد اِس آیت میں مذکور ہیں۔ اگرچہ یہ امر بھی درست ہے کہ انبیاء کے مخالفین کے انجام کا مطالعہ کرنا اور دوسرے نمبر پر انبیاء کی لائی ہوئی تعلیموں پر عمل نہ کرنے والوں کے انجاموں کا مطالعہ کرنا سب مقاصد سے اہم ہیں۔ کیونکہ ان امور پر انسان کی نجاتِ اُخروی کا انحصار ہے۔ کاش ہم سب قرآن کریم کے اشاروں کو سمجھیں اور ہر آن اپنی حالت کا دوسروں سے موازنہ کر کے ترقی اور تنزّل کی وجوہات کو سمجھتے رہیں اور اپنے نقائص کو دُور کرتے رہیں تا ہمارا ملک اور ہماری قوم خدا تعالےٰ کے ہر قانون، ہر منشاء و حکم کی تصدیق کرنے والی ہو نہ کہ اُنہیں جھٹلانے والی۔ اسلام کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اس کے آگے سرِ اطاعت خم کرنا اور عملی طور پر اس پر کاربند ہو جانا خواہ وہ حکم قانونِ شریعت سے تعلق رکھتا ہو یا قانونِ قدرت سے، خواہ اقتصادی میدان سے تعلق رکھتا ہو یا سیاسی اُلجھنوں سے، خواہ قوم کے اندرونی امن سے تعلق رکھتا ہو یا بین الاقوامی تعلقات سے۔ اِسی لئے قرآن کریم نے فرمایا:۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرۃ ع ۱۳)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے ہر قسم کے احکام کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں اور صرف ادھوری فرمانبرداری نہیں کرتے بلکہ اِس اطاعت میں ایک حسن بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان کو ضرور اس کا اجر ملتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو ہر قسم کے خوف اور حزن سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی دنیا کی زندگی بھی ایک جنّت ہوتی ہے مرنے کے بعد بھی وہ جنّت میں ہی جائیں گے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن ع ۳) جو شخص اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے سامنے مجرمانہ طور پر کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اُسے دو جنّتیں ملتی ہیں ایک اِس دنیا کی اور ایک آخرت کی۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ع ۸) جو اِس دُنیا میں اندھا رہتا ہے یعنی قوانینِ الٰہی، منشائے الٰہی اور رضائے الٰہی کی بصیرت حاصل نہیں کرتا وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا، بلکہ وہاں اُس کی حالت بدتر ہوگی۔ پھر فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات رکوع ۲) یعنی جو شخص صرف اِس امر کا خیال رکھتا ہے کہ کہیں وہ خدا تعالیٰ کے سامنے

اس کے کسی بھی منشاء یا قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے مجرمانہ طور پر پیش نہ کیا جائے اور اپنی نفسانی خواہشات یا میلانات سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک جنّتی زندگی عطا کر دیتا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پاک کتاب کے رموز سمجھنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی کما حقہٗ توفیق عطا فرمائے۔ نہ صرف ہماری زندگیاں ہی جنّتی کیفیات کی آئینہ دار ہوں بلکہ ہمارے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ دوسروں کی جہنّم کو بھی ٹھنڈا کر دے۔ نہ صرف روحانی و اخلاقی لحاظ سے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کے لحاظ سے۔ ہم دنیا کو ہر لحاظ سے امن دینے والے ہوں اور بالآخر ہم اسے امن کے حقیقی علمبردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالیں اور ساری دنیا آپؐ کے لائے ہوئے پیغام یعنی قرآن کریم پر عمل پیرا ہو کر حقیقی امن سے دوچار ہو کیونکہ صرف اور صرف یہی وہ آسمانی پیغام ہے جو الروح الامین کے ذریعہ سے یعنی امن کا پیغام دینے والے فرشتے کے ذریعہ سے اتارا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝

(الشعراء ع ۱۱)

یعنی اس قرآن کو لے کر روح الامین فرشتہ تیرے دل پر اُترا ہے تا تُو اُس گروہ میں شامل ہو جائے جو دنیا کو چوکس کرنے کے لئے آیا کرتے ہیں کہ تم ہلاکت اور بدامنی کی راہوں پر چل رہے ہو۔ اگر امن چاہتے ہو تو آؤ ہمارے پیغام پر عمل کرو۔

اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک امن کا شہزادہ بھیجا۔ اُس نے بھی دُنیا کو اپنے آقا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی طرف بُلایا، ہاں اُس پیغام کی اُس تشریح کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اُس مہدیٔ معہود کے ذریعہ ظاہر فرمائی ؎

دوڑ کر میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اللہ تعالےٰ ہمیں قیام امن کے اس حقیقی علمبردار کے غلاموں میں شامل کرے اور ہمارے ذریعہ سے دنیا میں امن و عافیت کا دَور دَورہ ہو جائے۔ آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؂

غلبۂ اسلام کے ضمن میں ایک بنیادی مطالبہ

(بقیہ صفحہ ۹)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جماعت کے نوجوانوں کو وقفِ زندگی کی اہمیت سمجھنے، خدمتِ اسلام کے لئے بے دریغ اپنی زندگیاں پیش کرنے اور پھر وقف کے عہد کو تادمِ آخر نبھانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ لاتموتن الا وانتم مسلمون کے تحت دنیا میں کامیاب و بامراد زندگیاں گزار کر کمال سرخروئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں۔ آمین یا ارحم الراحمین ۰

"ہماری تعلیم کا خلاصہ"

حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"جو خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیے اور معجزات دیکھنا چاہے اور خوارق عادت دیکھنا منظور ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی بھی خارق عادت بنالے۔ دیکھو امتحان دینے والے محنتیں کرتے کرتے مدقوق کی طرح بیمار اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ پس تقویٰ کے امتحان میں پاس ہونے کے لئے ہر ایک تکلیف اٹھانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ جب انسان اس راہ پر قدم اٹھاتا ہے تو شیطان اس پر بڑے بڑے حملے کرتا ہے لیکن ایک حد پر پہنچ کر آخر شیطان ٹھہر جاتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی سِفلی زندگی پر موت آکر وہ خدا کے زیر سایہ ہو جاتا ہے وہ مظہر الہٰی اور خلیفۃ اللہ ہوتا ہے مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۰۲)

جماعت احمدیہ کی طرف سے افریقہ میں اشاعت اسلام کی عظیم الشان جدوجہد

نائیجیریا، گھانا، لائبیریا، سیرالیون، ٹوگولینڈ، گنی، گیمبیا اور سینیگال میں اسلام کی پیشقدمی اور روز افزوں ترقی

(مبلغ سنیگال مکرم قریشی مقبول احمد صاحب - از ڈاکار)

مبلغ سینیگال مکرم قریشی مقبول احمد صاحب حال ہی میں اعلائے کلمۂ اسلام کی غرض سے ربوہ سے سینیگال کے دارالحکومت ڈاکار میں وارد ہوئے ہیں۔ آپ نائیجیریا، گھانا، لائبیریا، سیرالیون، گنی اور گیمبیا میں جماعتِ احمدیہ کے تبلیغی مشن دیکھنے کے علاوہ اشاعتِ اسلام کے ضمن میں ان مشنوں کی عظیم الشان تبلیغی مساعی اور ان کے خوشکن اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے وہاں پہنچے ہیں۔ آپ نے اپنے مشاہدات سفرنامہ کی صورت میں قلمبند کر کے بغرضِ اشاعت ارسال فرمائے ہیں جو ذیل میں ہدیۂ احباب کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

۲۲ر نومبر ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ خاکسار ربوہ سے بذریعہ چناب ایکسپریس کراچی کے لئے روانہ ہوا اور ۲۵ر کو کراچی سے بی۔او۔اے۔سی بوئنگ جہاز کے ذریعہ روم کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے ۲۶ر اور ۲۷ر کی درمیانی رات کو دوسرے جہاز کے ذریعہ چل کر ۲۷ر کی صبح کو لیگوس (نائیجیریا) پہنچا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

دورانِ سفر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکات یاد آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خدام کو کن کن نعمتوں سے نوازا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے آج سے بارہ سال قبل کا واقعہ آگیا۔ اُسوقت بھی خاکسار سلسلہ کی طرف سے باہر بھیجا گیا تھا مگر اُس وقت سلسلہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ہوائی سفر کا بوجھ برداشت کر سکتا بلکہ سمندری جہازوں یا خشکی کے راستہ سے سفر کرنا پڑتا تھا۔ سمندری جہازوں میں بھی حتی الوسع کم از کم کرایہ والی جگہ لینے کی کوشش کی جاتی تھی مگر آج وہ وقت ہے کہ سلسلہ کے خدام ضرورت کے ماتحت ہوائی جہازوں کے ذریعہ اعلاء کلمۂ اسلام کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔ اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آگیا کہ ایک وہ وقت تھا کہ آپ کو فاقہ پر فاقہ سے دوچار ہونا پڑتا تھا مگر ایک وہ وقت آیا کہ آپ کے ہاتھ میں کسریٰ کا رومال آیا اور اس میں آپ تھوک رہے تھے اور کہہ رہے تھے بخ بخ ابا ھریرۃ۔ واہ واہ ابوہریرہ کجا وہ وقت اور کجا یہ زمانہ کہ ایسے شاہی رومال استعمال کر رہا ہوں۔ غرض الٰہی جماعتوں پر ایسے وقت ہمیشہ آتے رہتے ہیں کہ پہلے اگر وہ کس مپرسی کی حالت میں تھے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت و ہمت دی۔ یہی واقعین اگر دنیاوی

ملازمتوں یا کاروبار میں مصروف ہوتے تو پیسے کے اعتبار سے شاید زیادہ ہی کمارہے ہوتے مگر انکو اپنے ملک سے باہر نکلنے اور دنیا کی
دنیا سے آگاہ ہونیکا کبھی موقع نہ میسر آتا ۔ الٰہی سلسلہ کے خادم جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں ان کی انتہائی کم مائیگی کے باوجود
اللہ تعالیٰ نے انکو یہ مقام بخشا کہ وہ اشاعتِ دین کی خاطر اپنے ملک سے باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی کو بارآور کیا ۔

خاکسار جب لیگس پہنچا اور احباب جماعت سے ملا اس وقت ان کی اس محبت کو دیکھ کر جو انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور سلسلہ سے ہے ۔ دل آستانۂ الوہیت پر جھکا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہزارہا میل دور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسیہ کے طفیل جو آپکو محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ملی ان لوگوں کو نورِ اسلام و احمدیت سے بہرہ ور کیا ۔ نائیجیریا میں مجھے تقریباً ۲½ ماہ رہنے اور کام کرنے کا موقعہ ملا ۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کو ایک خاص پوزیشن حاصل ہے ہفتہ وار اخبار "دی ٹروتھ" شائع ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے نہ صرف یہ کہ تبلیغ ہی کی جاتی ہے بلکہ اسلام کے خلاف اٹھنے والی آواز کا مناسب طور پر جواب دیا جاتا ہے اور قارئین کو حالاتِ حاضرہ سے آگاہ کیا جاتا ہے ۔ ہمارے سکول قائم ہیں جنکے ذریعہ سے جہالت کو دور کیا جاتا ہے ریڈیو پر تقاریر کرنے اور آمدہ سوالات کے جوابات براڈکاسٹ کرنیکا موقع ملتا ہے ہر چوتھے ہفتہ خطبہ جمعہ نشر ہوتا ہے پریس کانفرنسوں میں مدعو کیا جاتا ہے اور اہم تقاریب میں بلایا جاتا ہے اور اس حقیقت کو حکومت کے ذمہ وار اشخاص تسلیم کرتے ہیں کہ احمدیت نے انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا اور سوئے ہوؤں کو بیدار کیا ۔

لیگس سے خاکسار ۱۳ فروری ۶۱ء کو غانا کے لئے روانہ ہوا اور بذریعہ ہوائی جہاز اسی دن اکرا پہنچا ۔ مغربی افریقہ میں ہماری غانا کی جماعت اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ تعداد کے لحاظ سے یہاں باقی ملکوں کی نسبت سے احمدی زیادہ پائے جاتے ہیں یہاں احمدیت کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاص مقام حاصل ہے ۔ غانا میں بھی ہمارے کئی سکول جاری ہیں جن میں ایک سیکنڈری سکول آف کماسی خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ غانا میں مسلمانوں کا رجحان حصولِ تعلیم کی طرف نسبتاً بہت کم ہے ! ابتدائی مراحل پر تو مسلمان طلبہ مل جاتے ہیں مگر یونیورسٹی کی تعلیم میں نہ ہونے کے برابر ہیں یہی وجہ ہے کہ حکومت میں بھی مسلمان نمائندے نہ ہونیکے برابر ہیں ۔ اس کمی کو دور کرنے کیلئے ہماری جماعت خاص کوشش کر رہی ہے ۔ پھر ہماری مساجد بھی سینکڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں ۔ تبلیغ و اشاعتِ اسلام منظم طور پر لوکل مبلغین کے ذریعہ سے کی جاتی ہے اور اندرونِ ملک میں تبلیغ کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اتفاقاً عید الفطر کے موقع پر میں اکرا میں موجود تھا وہاں کے انچارج مبلغ مکرم قریشی فیروز محی الدین صاحب کی خواہش کے مطابق خاکسار عید پڑھانے کے لئے Saltpond مقام پر گیا جس کے ارد گرد اور بھی دوسری جماعتیں تھیں ۔ چنانچہ عید کے دن ارد گرد کے دیہات سے بھی احمدی احباب تشریف لائے اور ایک گھر میں جمع ہوئے وہاں سے اکٹھے جلوس کی صورت میں عید گاہ کی طرف تکبیر و تحمید کرتے ہوئے روانہ ہوئے ۔ غیر مسلم حیرانگی سے اس منظر کا معائنہ راستے میں کر رہے تھے ۔ عید گاہ پہنچے نماز ادا کی ۔ اسکے بعد خطبہ شروع کیا ۔ چونکہ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور نمازِ عید کھلی جگہ ادا کی گئی تھی اسلئے باری باری احبابِ جماعت خاکسار پر سایہ کرنے کیلئے چھتری کھول کر کھڑے ہوتے رہے میں نے اشارۃً کہا بھی کہ ضرورت نہیں مگر احباب نے ایسا کیا اور اسوقت جہاں ایک طرف خاکسار خطبہ میں مشغول تھا تو دوسری طرف دل

اِس جذبۂ محبت کی وجہ سے جس کا وہ اظہار کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کے آگے جھک رہا تھا۔ اِن سایہ کرنے والوں میں سے بعض ہر لحاظ سے خاکسار کے لئے قابلِ عزت تھے۔ عمر کے لحاظ سے، دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے، پیسہ کے لحاظ سے۔ مگر وہ یہ اظہارِ محبت کیوں کر رہے تھے؟ اسلئے نہیں کہ مَیں اُن سے بڑا تھا یا اُن سے مالدار تھا یا صاحبِ حیثیت تھا بلکہ محض اِس وجہ سے کہ یہ خاکسار سلسلہ کی طرف سے اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدمتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے آیا ہوا تھا اُن کے اِس جذبہ کے پیچھے اصل تکریم و تعظیم سلسلہ کی ہو رہی تھی، اصل وفاداری کا اظہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلیفہ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ آپ کی ہی قوتِ قدسیہ تھی جس کی بدولت یہ نورِ ایمان سے منور ہوئے اسلئے وہ آپ کے ساتھ اِس رنگ میں غیر معمولی محبت و عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اے رسول تو سب کچھ جو زمین میں ہے خرچ کر دیتا تو یہ محبت ایکے دل میں نہ ڈال سکتا جو مَیں نے ڈالی ہے پس یہ محبت و اخوت اور یہ خیر سگالی جو ہمارے سلسلہ کے افراد میں ہر جگہ پائی جاتی ہے یہی ایک نشان ایک صاحبِ بصیرت کے لئے کافی ہے۔

غرض غانا میں بھی احمدیت کو خاص مقام حاصل ہے اہم تقریبات میں ہمیں مدعو کیا جاتا ہے تعلیمی اداروں میں ہماری آواز ہے پریس میں نمائندگی حاصل ہے اور احباب مالی قربانی میں بھی پیش پیش ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اگرچہ منظم طور سے وسیع پیمانہ پر تبلیغ جاری ہے پھر بھی تمام کا تمام بوجھ لوکل جماعت مالی قربانی کر کے برداشت کر رہی ہے جس سے انکا دین سے لگاؤ بھی ظاہر ہوتا ہے اور جذبۂ اشاعتِ اسلام بھی۔ اس سے قبل یہاں کے عبدالوہاب بن آدم صاحب سات آٹھ سال ربوہ میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کر کے آ گئے ہیں اور دوسرے محمد ابراہیم صاحب مانو بھی ایک سال رہ کر وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اب تیسرا طالب علم برائے حصولِ دینی تعلیم وہاں پہنچ چکا ہے جس سے عیاں ہے کہ مقامی باشندوں میں کس قدر رغبتِ دین پائی جاتی ہے۔

چونکہ خاکسار نے غانا سے سینیگال کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے راستہ میں مغربی افریقہ کے دوسرے احمدیہ مشن بھی دیکھنے کا موقعہ ملا چنانچہ اکرا سے روانہ ہو کر خاکسار منروویا جو لائیبریا کا دارالحکومت ہے پہنچا۔ لائیبریا کا ملک مغربی افریقہ میں اس لحاظ سے خاص طور پر اہم ہے کہ یہاں پر عیسائیت بہت مضبوط ہے چنانچہ عیسائیوں کا اپنا ریڈیو اسٹیشن بھی ہے تاہم یہاں پر بھی تبلیغِ دین کا کام جاری ہے ہماری ایک اچھی اور معقول کتابوں کی دکان ہے جہاں اسلامی لٹریچر فروخت کیا جاتا ہے اور حسبِ استطاعت مفت بھی تقسیم ہوتا ہے اور اس طرح صحیح اسلام سے انہیں آگاہ کیا جاتا ہے اب کوشش کی جا رہی ہے کہ مشن ہاؤس کے لئے زمین خرید لی جائے اللہ تعالیٰ ایسے سامان بہم پہنچا دے کہ ہمارے مشن کے ذریعہ سے یہاں بھی اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔

وہاں سے خاکسار سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن روانہ ہوا ۲۵۔ اپریل کی دوپہر کو مَیں وہاں پہنچا اور ۲۶۔ کی رات کو ½-۱۰ بجے سے ½-۱۲ بجے تک آزادی کی تقریب منائی گئی۔ مختلف قسم کی پریڈز ہوئیں پھر پرانی فوج کے افسر نے نئی فوج کے افسر کو جھنڈا سپرد کیا۔ اور کھیلوں کے مظاہرے ہوئے پھر مسلمانوں اور عیسائیوں کے نمائندوں نے دعائیں کیں اور بالآخر انگریزوں کا جھنڈا جو بارہ بجے رات تک لہراتا رہا اندھیرا کر کے نیچے کر دیا گیا اور اس کی جگہ سیرالیون کا جھنڈا لہرا دیا گیا

اس کے بعد آتشبازی کا شاندار مظاہرہ کیا گیا اور اس طرح ایک غلام قوم کو پُرامن طور پر آزادی عطا کر دی گئی۔

سیرالیون میں احمدیت کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ صرف اس سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ آزادی کی تقریب پر ہماری پرانی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احمدیوں کا ایک نمائندہ مرکز پاکستان سے مدعو کیا گیا تھا چنانچہ اس فریضہ کی ادائیگی کا شرف محترم شیخ بشیر احمد صاحب جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے حصّہ میں آیا آپ نے اسے نہایت عمدگی سے نباہا آپکی معیت میں ہمیں بھی افسرانِ بالا سے ملنے کا موقعہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ عہدیدارانِ حکومت کو واقعی اس بات کا احساس ہے کہ جماعتِ احمدیہ نے انکے ملک کی بے لوث خدمت کی ہے اور قربانی و ایثار کے جذبہ سے کی ہے نہ کہ دنیاوی لالچ اور طمع کی خاطر۔ سیرالیون میں بھی ہمارے سکول قائم ہیں جس کی وجہ سے ہماری جماعت کافی متعارف ہے اسی طرح ہمارا اپنا پریس بھی ہے اور اخبار بھی نکلتا ہے۔ بو ہمارا مرکز ہے وہاں پر اپنے مشن ہاؤس اور سکولوں کی عمارتیں نہایت عمدہ بنی ہوئی ہیں اور سکولوں کیساتھ کافی زمین لی ہوئی ہے۔

وہاں سے روانہ ہو کر خاکسار گنی کے دارالحکومت کوناکری پہنچا جہاں حافظ بشیر الدین صاحب نے کام شروع کیا ہے ابھی کوشش جاری ہے خدا تعالیٰ وہاں مستقل طور پر تبلیغ کے سامان بہم فرمائے آمین۔ یہ فرنچ آزاد شدہ علاقہ ہے فرانسیسیوں نے کئی ملک آزاد کئے ہیں جن میں سے بعض میں اب جماعتِ احمدیہ مراکز قائم کر رہی ہے اس سے قبل ٹوگولینڈ میں مرزا لطف الرحمٰن صاحب کے ذریعہ سے مشن قائم ہو چکا ہے گنی میں ابھی کوشش جاری ہے اور سینیگال میں خاکسار کوشش کر رہا ہے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں پر نئے مشن قائم کرنے کی توفیق بخشے۔

گنی سے روانہ ہو کر خاکسار باتھرسٹ (گیمبیا) پہنچا جہاں کہ ہماری نئی نئی جماعت قائم ہوئی ہے نئی جماعت کے افراد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دین کے لئے کافی جوش رکھتے ہیں اور انہیں تبلیغ و اشاعت اسلام کا خاص شغف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے وہاں پر اب حال ہی میں ہی ماہ مارچ میں مکرم چوہدری محمد شریف صاحب تشریف لائے ہیں ہفتہ میں پانچ دن عصر سے لیکر مغرب تک قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے جس میں علاوہ احمدی احباب کے غیر احمدی بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور اس طرح دینی علم اور شوق پیدا کرنے کی کوشش جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جملہ مبلغین کو صحیح رنگ میں اشاعتِ اسلام کی توفیق بخشے اور ہمارے ذریعہ سے وہ دن جلد آئے کہ اسلام سے دنیا نہ صرف یہ کہ آگاہ ہو جائے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ آمین ؞　　(بتوسط وکالتِ تبشیر)

بعض غیر مطبوعہ روایات　(بقیہ صـ ۳۲)

(بقیہ صـ ۳۲)

مَیں منتظر رہا لیکن اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو کوئی قابلِ ذکر واقعہ رونما نہ ہوا۔ بالآخر ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو وہ واقعہ پیش آیا جس کا اس الہام میں ذکر تھا یعنی اس روز جماعت احمدیہ میں سلسلہ خلافت کا قیام عمل میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام بعد وصال اسی روز مقبرہ بہشتی قادیان میں مدفون ہوئے۔"

بچوں کا صفحہ

سَو خُوبیوں کی ایک خُوبی

(سلمان احمد خاں ربوہ)

میرے عزیز بھائیو! سو خوبیوں کی ایک خوبی دیانت داری ہے جو آدمی دیانت دار ہو اُس کی سب عزت کرتے ہیں اور جو شخص دیانت دار نہ ہو اسے کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ دیانت دار اُس شخص کو کہتے ہیں جو کبھی دوسرے کا حق نہ مارے اور خود اپنے حق سے زیادہ کبھی کوئی چیز لینے کی کوشش نہ کرے۔

کہنے کو یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن ہے بہت ضروری۔ اِس کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا یہی وجہ ہے جتنے بھی نبی اور رسول دنیا میں آئے ہیں وہ سب لوگوں کو دیانتدار بننے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ اور انہیں سمجھاتے رہے ہیں کہ دیکھو کبھی کسی دوسرے کا حق نہ مارو اور خود کبھی اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرو۔

میں ہم سب کے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ سُناتا ہوں۔ اِس سے معلوم ہوگا کہ دیانت داری کس کو کہتے ہیں اور حضورؑ نے اس کی کتنی تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؑ سیر کے لئے قادیان سے باہر تشریف لے گئے راستہ میں کھیت کے کنارے ایک چھوٹی سی بیری اُگی ہوئی تھی اور اسے بیر لگے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے دیکھا کہ ایک بڑا عمدہ سا پکا ہوا بیر اس کے نیچے پڑا ہے انہوں نے اٹھا کر اسے کھانا چاہا۔ اتفاق سے حضورؑ کی نظر ان پر پڑ گئی۔ حضورؑ نے فرمایا یہ بیر مت کھاؤ۔ جہاں سے اٹھایا ہے وہیں رکھ دو۔ آخر یہ کسی کی ملکیت ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے کھانا ٹھیک نہیں۔

اب دیکھو اگر وہ صاحب اپنی مرضی سے بیر اٹھا کر کھا لیتے تو یہ دیانت داری کے خلاف ہوتا بیری کسی اور شخص کی تھی اور اُس میں لگے ہوئے بیر بھی اُسی کے تھے۔ کسی اور کو حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر ان بیروں کو ہاتھ بھی لگاتا۔ پس چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی احتیاط کرنی چاہیئے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُس کا ہمیں حق بھی پہنچتا ہے یا نہیں۔ اگر حق پہنچتا ہے تو اس کام کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر حق نہیں پہنچتا تو پھر ایسا کرنا بددیانتی ہوگی۔ جب تک ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اِس بات کا خیال نہیں کریں گے ہم خدا کی نگاہ میں دیانتدار نہیں کہلا سکتے خدا تعالیٰ ہم سب کو دیانتدار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ٭

مسیح پاک علیہ السّلام کی نصائح

ہمارے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت پیاری پیاری نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ اگر انسان ان پر عمل کرے تو وہ خدا کا پیارا بندہ بن سکتا ہے۔ ہم تمہیں حضور کی بعض نصائح سُناتے ہیں۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو تم بھی خدا کے پیارے اور اپنے ماں باپ کی آنکھ کے تارے بن جاؤ گے۔ سب تمہیں اچھا سمجھیں گے اور بہت بہت شاباش دیں گے۔

مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

(۱) تم اپنے خدا سے ڈرو اور پاک دل ہو جاؤ۔

(۲) گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔

(۳) خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو۔

(۴) بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سُنے۔

(۵) ایک دوسرے کا چڑ کے نام نہ لو یہ نیک لوگوں کا کام نہیں۔

(۶) ہر ایک جاندار اور بھوکے پیاسے پر رحم کرو۔

(۷) کسی سے زبردستی کوئی چیز مت چھینو۔

(۸) چغلی نہ کھاؤ اور کسی کا گلہ نہ کرو۔

(۹) دُعا میں سُستی کرنے والا بھی متکبر ہے۔

(۱۰) جھوٹ کے اختیار کرنے سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ تمہارے لئے یہ ضروری بات ہے کہ صدق اختیار کرو۔

یاد رکھنے کے قابل تاریخیں

تعلیم الاسلام ہائی سکول کا قیام	۱۸۹۸ء
مدرسہ احمدیہ کی بنیاد	۱۹۰۶ء
منارۃ المسیح کی بنیاد	۱۹۰۳ء
اخبار الفضل کا اجراء	۱۹۱۳ء
مجلس مشاورت کا قیام	۱۹۲۲ء
خلافت جوبلی	۱۹۳۹ء
انصار اللہ کا قیام	۱۹۴۰ء
خدام الاحمدیہ کا قیام	۱۹۳۸ء
لجنہ اماء اللہ کا قیام	۱۹۲۲ء
قادیان سے ہجرت	۱۹۴۷ء
جماعت کے نئے مرکز ربوہ کی بنیاد	۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے اہم اعلانات

انصار اللہ کا امتحان ــــ "پیغام صلح"

جیسا کہ مجالس انصار اللہ کے لئے ہدایات ۱۹۶۱ء میں درج ہے دوسری سہ ماہی میں انصار اللہ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف لطیف "پیغام صلح" کا امتحان ہوگا۔ امتحان کے لئے تاریخ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۱ء مقرر کی جاتی ہے (لیکن ربوہ میں یہ امتحان ۱۴ر جولائی ۱۹۶۱ء کو ہوگا)

تمام انصار احباب ازراہِ کرم فوری طور پر تیاری شروع فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ اس امتحان میں شریک ہونے کی کوشش کریں۔ زعماء / زعماء اعلیٰ سے گزارش ہے کہ وہ اس امتحان میں احباب کو کثرت سے شریک ہونے کی تلقین کریں اور مرکز کو ان کی تعداد سے بھی مطلع کریں۔

قائد تعلیم انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

ضروری اطلاع

ماہنامہ انصار اللہ ایک اعلیٰ پایہ کا تربیتی رسالہ ہے۔ جیسے ہر احمدی گھرانے میں موجود ہونا چاہیئے۔ اس لئے خریدار احباب کے علاوہ بعض اور احباب کی خدمت میں بھی ماہنامہ انصار اللہ کا تازہ نمبر بذریعہ ڈاک بھجوایا جا رہا ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ ازراہ کرم ہمیں مبلغ ۵/- روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(مینجر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ)

ربوہ میں فسٹ ایڈ کلاس کا اجراء

مجلس شوریٰ انصار اللہ مرکزیہ کے گذشتہ سالانہ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ ایک ہزار انصار فسٹ ایڈ سیکھیں اور اس کے لئے ربوہ۔ کراچی۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ کوئٹہ اور راولپنڈی میں سال میں دو مرتبہ فسٹ ایڈ سکھا کر محکمانہ سندات دلائی جائیں۔ ان مقامات کے علاوہ اگر کسی اور مقام پر بھی ایسی تربیت کا انتظام ہو سکے تو اس کا اہتمام کیا جائے۔

اس فیصلہ کی تعمیل میں مؤرخہ ۲۰ مئی سے دفتر مرکزیہ انصار اللہ میں کلاس شروع کر دی گئی ہے مکرم ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب جو نہ صرف تجربہ کار ڈاکٹر ہیں بلکہ پہلے بھی ایسی کلاسز کو پڑھاتے رہے ہیں اس کلاس کے لیکچرار ہیں کلاس کا وقت صبح سات بجے ہے جس میں مختلف محلوں سے انصار شوق سے شامل ہوتے ہیں۔ نصاب چودہ لیکچروں پر مشتمل ہے جس کے بعد امتحان ہوگا اور پاس ہونے والوں کو سندات دلائی جائیں گی۔

بیرونی مجالس میں سے مجلس انصار اللہ کوئٹہ نے خانصاحب ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب کی نگرانی میں فسٹ ایڈ کلاس شروع کر دی ہے۔ مجالس انصار اللہ کراچی۔ لاہور۔ سیالکوٹ اور راولپنڈی سے بھی امید ہے کہ حسب فیصلہ شوریٰ جلد ایسی کلاسز شروع کر دیں گے۔

فرسٹ ایڈ کلاسز کا انعقاد کرنے والی مجالس کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ کلاسز شروع کرنے سے قبل وہ سینٹ جون ایمبولینس ایسوسی ایشن پاکستان مریٹ سٹریٹ کراچی ۱۲ سے "زخمیوں کی پہلی امداد" منگوالیں۔ انگریزی نسخہ کی قیمت ۲/۱ روپیہ اور اردو نسخہ کی قیمت پندرہ آنے ہے اسی طرح ریگولیشنز فار کلاسز قیمتی اڑھائی روپے منگوالی جائے تو سندات وغیرہ کے حصول کے بارہ میں بھی راہنمائی مل سکے گی۔

جو مجالس باقاعدہ محکمانہ معیار کے مطابق کلاسز نہیں جاری کر سکتیں۔ انہیں بھی اپنے حالات کے مطابق فسٹ ایڈ کی سکھلائی کا کچھ انتظام کرنا ضروری ہے۔ ورنہ چند بڑی مجالس سے ایک ہزار کی تعداد پوری نہ ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مجالس اس طرف فوری توجہ فرمائیں گی۔ آخر میں احباب سے ربوہ کلاس کے انچارج مکرم ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب اور کوئٹہ کلاس کے انچارج مکرم خانصاحب ڈاکٹر محمد عبد اللہ صاحب کے لئے دعا کی درخواست ہے +

(قائد خدمتِ خلق مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غیراللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح خلاف ہے

”یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ غیراللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جب تک انسان پورے طور پر خفیف ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں۔

پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔ اسی لئے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے تاکہ اولاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت آ جاتا ہے جبکہ انقطاع کلی کی حالت میں انسان ایک نور اور ایک لذت کا وارث ہو جاتا ہے“ (ملفوظات صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ



دفتر مجلس انصاراللہ بھارت

Office Of The Majlis Ansarullah Bharat

Mohallah Ahmadiyya Qadian-143516, Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Ph:+91-1872-220186, Fax: +91-1872-224186, Mob. +91-98154-94687, E-mail: ansarullah@qadian.in

Date/تاریخ ....   Ref/زیرحوالہ ....